فروری
FEBRUARY
2017

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت

دھلی

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ

₹15/-

کلمہ تشہد پر انگلی کا اشارہ فقہ وحدیث کی روشنی میں

کیا ایک مجلس کی تین طلاق ایک طلاق ہے؟

جدید نصاب تعلیم برائے مدارس اسلامیہ

کیرلا کا ایک روشن ستارہ

ہندوستان کا بدلتا سیاسی منظر نامہ اور اہل وطن کی خام خیالیاں

امام غزالی کے فرامین اور حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت دہلی

PAIGAM E SHARIAT

Monthly

February-2017 | شمارہ نمبر: ۱۱ | جلد ۲ | فروری ۲۰۱۷

ایک شمارہ کی قیمت 15 روپے، سالانہ زر تعاون 150 روپے، بیرون ممالک کے لئے 40 ڈالر، خلیجی

طابع، ناشر، مالک محمد قاسم نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس 3636 کٹرا دینا بیگ، لال کنواں، دہلی-6 سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''پیغام شریعت'' 442، سیکنڈ فلور، گلی سروتے والی مٹیا محل جامع مسجد دہلی-6 سے شائع کیا۔

ترسیل زر کا پتہ

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No. 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob: 9911062519, 011-23260749
Email: paighameshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name: Paighameshariat
A/c. No. 6409744750, IFSC Code IDIB000J033

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
مکہ پبلیشر دہلی
گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔۶
آفس کا فون نمبر: Ph: 011-23260749, Mob: 9911062519

فہرست مضامین

شمار	مضامین	مقالہ نگار	صفحہ
1	ناموران اردو: ایک معروضی جائزہ	ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی (ممبئی)	5
2	مشکل احادیث اور ان کا حل	مولانا کوثر امام قادری (مہراج گنج)	13
3	کلمہ تشہد پر انگلی کا اشارہ فقہ وحدیث کی......	مفتی فیضان المصطفیٰ قادری (امریکہ)	16
4	کیا ایک مجلس کی تین طلاق ایک طلاق ہے؟	مفتی ازہار احمد امجدی ازہری	22
5	جدید نصاب تعلیم برائے مدارس اسلامیہ	طارق انور مصباحی (کیرلا)	29
6	کیرلا کا ایک روشن ستارہ	مفتی اشفاق احمد مصباحی کاسرگوڈ کیرلا	38
7	بہجۃ الاسرار شریف کی عدالت وثقاہت اعلیٰ......	مولانا حسان المصطفےٰ امجدی	41
8	امام غزالی کے فرامین اور حضور مجاہد ملت......	ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی (دہلی)	44
9	سلف وخلف طلبہ کا تقابلی جائزہ	مولانا کمال احمد علیمی (جمدا شاہی)	49
10	خضر راہ	ادارہ	52
11	خیر وخبر	ادارہ	54

﴿نوٹ﴾

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

نامورانِ اردو: ایک معروضی جائزہ

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی

ہندوستان میں اسلام کی آمد کا پتہ دور رسالت مآب سے ہی چلتا ہے۔ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں تو بکثرت صوفیا و مبلغین یہاں تشریف لا چکے تھے۔ ہلاکو اور چنگیز کی تباہ کاریوں نے بھی اس میں اہم رول ادا کیا اور ایران و بغداد و ماوراء النہر کے علاقوں سے علما و صوفیا گروہ در گروہ کی شکل میں یہاں وارد ہوئے۔ عرب اور عجم کے ان علاقوں سے آنے والوں کی زبان چوں کہ عربی اور فارسی تھی۔ پس یہاں کے باشندوں کے میل جول سے اردو بولی کی پیدائش ہوئی، جو بعد میں ترقی کرتے کرتے ایک مستقل زبان کا درجہ حاصل کر لی۔ اردو کے بنیاد گزاروں میں علما و صوفیا اور دعاۃ و مبلغین ہی کا نام لیا جاتا ہے اور اردو نثر و نظم کے مصنفین و شعرا بھی وہی ہیں۔

سلطان محمود غزنوی کی آمد، سلطان الہند حضرت غریب نواز کی ہند میں سکونت پذیری اور ان کے رفقا کی مساعی میں بھی اردو کی اساس و امثال تلاش کی جا سکتی ہیں۔ کتاب ''معراج العاشقین'' جو حضرت بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ کے نام سے منسوب ہے، اردو کی اولین کتاب شمار کی جاتی ہے۔ لیکن فرزند گلبرگہ وہاب عندلیب نے اسے ایک دوسرے مشہور صوفی بزرگ مخدوم حسینی کی کاوش بتائی ہے۔[۱] حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کا شمار بھی اردو کے اولین نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ گویا صوفیائے کرام کی یہاں آمد اور بود و باش اختیار کرنے اور عوامی رابطے کی بدولت اردو وجود میں آئی۔ جو بعد میں چل کر گنگا جمنی تہذیب کی علامت قرار پائی ۱۸۰۰ء ویں عیسوی میں انگریزوں کے دار الحکومت کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد پڑی، تو اس کالج نے بھی اس کی تعمیر و ترقی میں زبردست کردار ادا کیا۔ پھر جب ۱۸۲۵ء ویں عیسوی میں اردو نے سرکاری و دفتری زبان کا درجہ حاصل کر لیا، تو اس کے فروغ و ارتقا میں خاصا اضافہ ہونے لگا۔ دہلی کالج کا قیام بھی قریب اسی دور میں ہوا۔ وہاں سے بھی چمن اردو کی سیرابی و شادابی کا سامان مہیا ہونے لگا۔

الغرض اردو اپنی پیدائش سے لے کر ۱۹۰۰ء صدی عیسوی کے آغاز تک اپنی ابتدائی و ارتقائی منزلیں طے کرتی رہی اور اس تمام مدت میں اردو کا وجود، بقا، فروغ و ارتقا صوفیائے کرام ہی کے مرہون منت رہا۔ یہ امر بھی واضح ہے کہ صوفیا کا منشا و مدعا خالص مذہبی و دینی دعوت و تبلیغ، رشد و ہدایت اور اصلاح و ابلاغ تھا۔ بقول ڈاکٹر عبد الحق صوفیائے کرام کا مقصد و مدعا ادب تخلیق کرنا نہ تھا، ان کی غرض اور غایت خالص مذہب کی تبلیغ تھی، بندوں کو دعوت دینا اور ہدایت کی راہ پر گامزن کرنا تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اردو زبان و ادب ترقی پذیر ہو رہا تھا۔ عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور نئی نئی اصلاحیں ہو رہی تھیں اور اردو کے سرمایے میں ایک نئی شان پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی۔

ہندوستان میں جب سے اسلام آیا، مسلمان سب کے سب اہل سنت ہی تھے۔ جنوب ہند میں کچھ شوافع کے علاوہ تمام ہندوستان کے مسلمان حنفی المذہب تھے اور سنی صحیح العقیدہ تھے۔ اسی طرح شوافع بھی اہل سنت تھے۔ از اول تا آخر تمام صوفیا، تمام مسلم فاتحین، مسلم حکمراں، محتسب، عامل، عادل، منصف، قاضی اور مفتی تمام کے تما سنی حنفی راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ اس دور کے ہندوستان میں مسلمانوں کا دین و

اعتقاد اور سنیت کیسی رہی ہوگی۔طوطئ ہند حضرت امیر خسرو قدس سرہ کے درج ذیل شعر سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے،فرماتے ہیں:

زہے ملک ،مسلماں خیز و دین جوئے
کہ ماہی سنی خیزد از جوئے

[ترجمہ:واہ!ہندوستان کیسا مسلمان خیز اور اسلام کے متلاشیوں کا ملک ہے۔یہاں تو نہر سے مچھلی بھی نکلتی ہے،تو وہ بھی سنی ہوتی ہے۔[۲]

سرسید کا نام جدید نثر کے حوالے سے بہت ہی روشن ہے۔علما وفقہا تو الگ رہے۔ادبا ودانشور اشخاص بھی ناخوش اور متفق نظر نہیں آتے ہیں۔چنانچہ ڈاکٹر ہاشم قدوائی ڈاکٹر اکبر رحمانی کی کتاب ''علی گڈھ سے دیوبند تک'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مصنف[ڈاکٹر اکبر رحمانی]کے نزدیک سید احمد خان بڑے عالم تھے۔یہ خلاف واقعہ ہے۔وہ کسی درجے میں بھی مذہبی عالم نہ تھے اور نہ ان کی رائے اسلام اور اسلامی عقیدوں میں سند کا درجہ رکھتی ہے''۔[۳]

اسی طرح ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی اپنی کتاب ''سرسید احمد خان اور ان کے رفقا کی خدمات کا علمی جائزہ'' میں لکھا ہے کہ:

''سرسید کی دوسری تصانیف کی طرح یہ تفسیر بھی مقبول نہ ہوسکی۔مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس تصنیف نے آگے چل کر تحریک مطالعۂ قرآن اور عام افکار دینی پر بڑا اثر ڈالا۔مجموعی لحاظ سے سرسید کے نام سے کوئی جماعت یا کوئی فرقہ منسوب نہیں۔مگر ان کا دینی نظریہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر مختلف اسلامی فرقوں کا جزو بن گیا ہے۔...... چنانچہ اس کے گہرے اثرات 'بیان القرآن' [مولانا محمد علی،جماعت احمدیہ،لاہور]بیان القرآن[مولانا احمد بن امت مسلمہ] تذکرہ[عنایت اللہ مشرقی]تفسیر ایوبی[حکیم احمد شجاع]یہاں تک کہ 'ترجمان القرآن' [مولانا ابوالکلام آزاد]میں نمایاں طور پر موجود ہیں'۔[۴]

الطاف حسین حالی پانی پت میں پیدا ہوئے۔ان کا شمار جدید دور کے بانیوں میں کیا جاتا ہے۔وہ غالب،سرسید،محمد حسین آزاد اور شیفتہ سے بہت متاثر تھے۔ان کا ماننا تھا کہ ہمیں زمانے کے مطابق قدم اٹھانا چاہیے۔زمانے کو سامنے رکھ کر انہوں نے نظمیں بھی لکھی ہیں اور نثر میں کتابیں بھی۔وہ باتوں کو سادگی اور سچائی سے پیش کرتے تھے۔محمد حسین آزاد نے ہی انہیں نئے ڈھنگ کی نظمیں لکھنے کے لیے اکسایا تھا۔ 'مقدمہ شعر وشاعری' اس کا ایک اہم حوالہ ہے۔انیسویں صدی میں ہی سوانح نگاری کا بھی آغاز ہوتا ہے۔حالی اپنے عہد کے ایک بڑے سوانح نگار بھی تھے۔جنہوں نے متعدد سوانح لکھی ہیں۔حیاتِ جاوید،یادگارِ غالب اور حیاتِ سعدی خاصی مشہور ہیں۔اس لیے اردو کے عناصر خمسہ میں دوسرے بڑے عنصر مانے جاتے ہیں۔

شبلی نعمانی اردو گھر کے تیسرے بڑے ستون تسلیم کیے جاتے ہیں۔جدید عہد میں اردو کا چوتھا بڑا عنصر محمد حسین آزاد کو مانا جاتا ہے۔اردو ادب میں ڈپٹی نذیر احمد کا بہت بلند مقام ہے۔یہ کتابیں استدلالی قوت سے خالی و عاری دکھائی دیتی ہیں۔چنانچہ ڈاکٹر سید عبد اللہ ''الحقوق والفرائض'' پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا طرز استدلال جدید نہیں۔اس کا رنگ شاہ ولی اللہ صاحب اور دیگر مسلم علما کی تصانیف سے ملتا جلتا ہے اور ان کا عام طریق بحث اور نقطۂ نظر قدیم ہی معلوم ہوتا ہے۔اس کتاب کی ترتیب اور تصنیف بھی عام پسند نہیں اور افسوس یہ ہے کہ اس کو دلچسپ بنانے کی کوشش بھی نہیں کی گئی''۔[۵]

ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ قرآن پر ایک ناقد بصیر نے نقد وتبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''معلوم نہیں کہ ڈپٹی صاحب کا معنی کیا سمجھ بیٹھے ہیں۔ان کے ترجمے کے ملاحظہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت محاورہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک آیت کے مطلب کو ایک ہندوستانی مثل میں ادا کردی یا کسی تمثیل کو کسی مثال سے بھڑا دیں۔گو قرآن کا مفہوم لفظی اس سے ادا ہو یا

نہ ہو اور متن کی تمامی قوت اس میں آئے یا نہ آئے''۔[٦]

اردو کے بعض حلقوں اور طبقوں میں ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نگاری بھی زیر عنوان آتی ہے۔'توبۃ النصوح' وغیرہ تحریریں گو اسی قبیل کی ہیں چنانچہ ان کے بارے میں پروفیسر حشام حسین کا ریمارک یہ ہے:

''نذیر احمد کے ناولوں میں یہ کمی پائی جاتی ہے کہ وہ بیچ بیچ میں مذہب اور اخلاق پر تقریر کرنے لگتے ہیں''۔[٧]

اسی طرح کچھ ناقدوں کا خیال یہ ہے کہ:

''وہ جتنے بڑے عالم تھے۔اس کے مطابق انہوں نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی اور ناول نگاری ان کی عظمت کے خلاف تھی''۔[٨]

یہ ہے اردو کے عناصر خمسہ کا ایک سرسری جائزہ۔آگے سرسید کے خاص رفقا میں نواب محسن الملک، نواب وقار الملک اور مولوی چراغ علی کے نام بھی خاص اہمیت کے حامل ہیں۔یہ سب نہ صرف یہ کہ تعلیم وترقی کے میدان میں سرسید کے حامی وناصر تھے، سرسید کے مذہب نیچری کے افکار ونظریات کے بھی مبلغ ومشتہر تھے۔نواب محسن الملک کی ایک کتاب ''تقلید عمل بالحدیث'' ہے۔یہ کتاب بازار علم وادب میں اپنی کیا قیمت رکھتی ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ اس کا نرخ متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محسن الملک کی کتابیں بہت بلند درجے کی نہیں اور مضامین میں بھی کوئی جدید خیال موجود نہیں۔البتہ 'تہذیب الاخلاق' [علی گڈھ] کے مضامین میں بڑا زور اور جوش ہے''۔[٩]

چراغ علی، یہ وہ شخصیت ہے، جس کو سرسید کے دینی خیالات، بلفظ دیگر نیچری نظریات وخیالات سے جو انسیت تھی، وہ اسے اپنے لیے طرۂ امتیاز سمجھتی تھی۔معروف مصنف شیخ محمد اکرام نے ان کے حق میں جو فیصلہ سنایا ہے، اس میں شیخ موصوف حق بجانب معلوم ہوتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

''اگر نیچری کے لفظ کا اطلاق سرسید پر ہوسکتا ہو، تو ہم مولوی چراغ علی کو ان سے کم نیچری نہیں کہہ سکتے''۔[١٠]

مرزا اسداللہ غالبؔ، ٹھیک ہے کہ تاحیات فارسی شعر وادب میں ڈوبے رہے۔مگر اردو زبان وادب میں ان کا جتنا کچھ بھی سرمایہ ہے۔ مواد، سواد، ہیئت، فورم، اسلوب، ادا، سادگی، برجستگی، صفائی، روانی، دل کشی، شگفتگی، بے ساختگی، مفہوم ومعنی، مقصد ومدعا، زور بیان، حسن کلام، شوکت الفاظ، حسن تراکیب، چست بندش، رعنائی وپرکاری، فکر وتخیل، معنی ومضمون آفرینی، وغیرہ خصوصیات فن اور امتیازات زبان، ذرا انصاف سے بتایا جائے کہ غالبؔ کا اردو سرمایہ کس جہت سے کم تر اور فروتر ہے۔پھر کیا سبب ہے کہ غالبؔ کو جدید دور کا بانی یا عناصر خمسہ یا کم از کم جدید دور کے معماروں میں گنا نہیں جاتا۔

وہ غالبؔ، جن کے بارے میں اقبال جیسے مفکر اور نکتہ داں شاعر نے کہا تھا:

زندگی مضمر ہے تیری شوخیٔ تحریر میں
تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں [١١]

کیا ان کا جرم یہ تو نہیں کہ انہوں نے اپنی غیرت پسند طبیعت کی بنیاد پر حکومت کی ناز برداری نہیں کی۔دہلی کالج کی ملازمت، جن لوگوں نے انگریزوں کے تلوے چاٹ کر حاصل کی، غالبؔ کو پیش کش ہوتے ہوئے بھی انہوں نے یہ کہہ کر وہاں کی باوقار نوکری ٹھکرا دی کہ ہم انگریز پرنسپل کی تعظیم، آداب اور کورنش بجا نہیں لائیں گے اور کلکتہ جاتے ہوئے لکھنؤ میں نواب اودھ کی ملاقات کے متمنی ہوتے ہوئے بھی آداب

نوابی وشاہی اور نذر گزاری کی بجا آوری سے انکار کر دیا۔

یہ مختصر سا جائزہ، جو انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر کے ادبا وشعرا کی کارگزاریوں پر مشتمل ہے، واشگاف تیور میں یہ واضح کرتا ہے کہ اکیلے ایک غالبؔ ہی نہیں، اردو نثر و نظم کے بہت سارے صنادید وعباقرہ کی ایک لمبی فہرست ہے، جو اردو کے محققین اور مؤرخین کی مجرمانہ کرم فرمائیوں اور چشم پوشانہ نوازشوں کا شکار ہوئے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند نظائر اور شواہد پیش کر دیئے جائیں، تاکہ راقم آثم پر ادعا کی تہمت اور الزام عائد نہ ہو۔ سرسید، جو خیر سے علی گڈھ تحریک کے بانی تھے، ان کے حامیوں اور حواریوں نے انہیں جدید اسلوب ادب کا بانی بھی باور کرا لیا ہے۔ ہمیں اس سے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اردو ادب کے ہر بالغ نظر قاری کو یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ جدید اردو ادب کے بانیوں اور معماروں اور نامور ادیبوں کی لکھت پڑھت کی جانچ پرکھ کرے۔ ان کا یہ حق چھین لینا ناانصافی اور ظلم کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔ اس لیے یہ حق ان کے حق میں محفوظ رکھا جائے۔ سرسید لکھتے ہیں:

’آمدنی کے ذریعوں میں ظاہراً دو ذریعے ایسے معلوم ہوتے ہیں، جو تمام ذرائع کو حاوی ہیں۔ ایک زراعت، دوسرا تجارت‘۔[۱۲]

اس عبارت پر مرزا عبدالوحید بیگ ناقدانہ تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’سلیس سادہ نثر کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بیان کو الجھا دیا جائے۔ غور کیجیے۔ سرسید جو بات کہنا چاہتے ہیں، وہ صرف اتنی سی ہے کہ ’دیگر ذرائع آمدنی پر زراعت وتجارت کو فوقیت حاصل ہے‘۔ یعنی جو بات ایک فقرہ میں لکھی جا سکتی تھی، اس کو سرسید نے تین جملوں میں لکھا۔ طول عبارت کا نام سلیس سادہ نثر نہیں ہے‘۔[۱۳]

یہ تو اس جملے کی ظاہری ساخت اور ہیئت کی بات تھی۔ اظہار مافی الضمیر اور ترسیل کی بات تھی۔ جس کا تعلق جملے کے خارجی پہلو سے ہے۔ معنوی اور داخلی سطح پر سرسید کی عبارت کی کیا کیا خوبیاں ہیں، یہی عبدالوحید بیگ ان خوبیوں کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’ذرا خط کشیدہ ’ذریعوں، ظاہراً، حاوی‘ پر غور کر لیجیے کہ ذوق سلیم پر کانٹوں کی طرح چبھ رہے ہیں اور بے محل غیر مانوس الفاظ کے استعمال کی وجہ سے جملوں کو پڑھ کر طبیعت اوب رہی ہے۔ ذہن مطلب کی طرف راغب نہیں ہو رہا ہے۔ ادبی زاویہ سے بھی ’ظاہراً‘ اور ’ذریعوں‘ کا ستعمال عیب سے پر ہے۔ فنی اعتبار سے بھی فوقیت کے مفہوم کو لفظ ’حاوی‘ لکھ کر اردو نثر کو سولہویں صدی عیسوی کی طرف پھینک دیا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ سرسید زبان وبیان پر دسترس نہیں رکھتے تھے۔ فوقیت کا مفہوم ’حاوی‘ سے پورا نہیں ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ الفاظ کے برمحل استعمال پر بھی قادر نہیں تھے‘۔[۱۴]

سرسید جدید اردو نثر کے بانی کہے جاتے تھے۔ پھر بھی اردو زبان کے صرفی ونحوی اصول وضوابط اور قواعد کے پابند نہیں تھے۔ اس پابندی سے اپنے آپ کو بری سمجھتے تھے۔ ناطقہ سربگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے۔ ’تاریخ ادب اردو‘ کا مصنف لکھتا ہے:

’ان [سرسید] کا طرز تحریر زوردار، مگر صاف اور سادہ ہے۔ اس میں کسی قسم کی عبارت آرائی نہیں ہے۔ کچھ غلطیاں بھی اس میں نکلیں گی۔ مگر سید صاحب قواعد صرف ونحو کی پابندی کی قطعی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ مقررہ قواعد انشاپردازی سے بالکل بے نیاز تھے‘۔[۱۵]

شبلی نعمانی اردو کے عناصر خمسہ میں ایک بلند بانگ شخصیت کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ شبلی نعمانی خیر سے حکومت برطانیہ کے خطاب یافتہ ’شمس العلما‘ کے مؤقر لقب سے ملقب تھے۔ شبلی صاحب کو سرسید کے دست راست ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ بقول بعض سرسید ہی کی طرح شبلی صاحب بھی انگریز حکومت کا لے پالک تھے۔ ان کے نامور ادیب ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ ان کی عبارت آرائی، رنگین

بیانی، پرشکوہ الفاظ اور حسن پیرایہ کلام اپنی جگہ۔ شبلی کی ایک مشہور کتاب 'الفاروق' ہے۔ اسی 'الفاروق' میں شبلی صاحب کے زرنگار قلم سے ایک جملہ یوں لکھا گیا ہے:

'حضرت عمر کو صرف اپنے دست بازو کا بل تھا'۔[۱۶]

لفظی اور معنوی لحاظ سے اس ایک جملہ میں جو قباحتیں ہیں۔ اردو کا ہر ادنیٰ طالب علم سمجھ سکتا ہے۔ راقم شبلی صاحب کی قد آور شخصیت اور ان کی شہرۂ آفاق ادبیت پر کیا اظہار رائے کرسکتا ہے۔ البتہ ادب اردو کے ایک ناقد کے اقتباس کی نقل پر اکتفا کرتا ہوں۔ ناقد بصیر نے لکھا ہے کہ:

'خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجیے۔ 'دست بازو' کے ساتھ 'بل' کا استعمال انتہائی بوجھل ہے۔ جو ذوق سلیم کو کاٹ کھانے کے لیے دوڑ رہا ہے۔ جانے دیجیے ذوق سلیم کو۔ ذوق سلیم بساط اردو کے بونوں کو بھلا کہاں نصیب۔ 'دستِ بازو' خلاف محاورہ ہے۔ یہ وہ عیب ہے، جو ادبی ذوق رکھنے والا بخوبی محسوس کرسکتا ہے۔ اردو میں 'قوتِ بازو' مستعمل ہے اور یہی صحیح ہے۔ قوت کے مفہوم و مطلب کو ظاہر کرنے کے لیے شبلی نے 'بل' کا استعمال کیا۔ یہاں 'بل' بھی خلاف رواج ہے۔ لفظ 'دست' فقرہ کو مکروہ بنا رہا ہے اور معنوی اعتبار سے بھی 'دست' کا استعمال حشو ہے۔ شبلی سے یہ غلطی اتفاقیہ سرزد نہیں ہوگئی ہے۔ وہ تو مبہم عبارت لکھنے میں مشاق تھے۔ پھر بھی اردو کے عناصر خمسہ میں سے ایک تھے'۔[۱۷]

شبلی نعمانی صاحب کی ایک اور تصنیف ہے، جس پر شبلی صاحب کو شمس العلمائی انداز سے بصد انداز زیبائی بڑا ناز تھا اور آج بھی ان کے سخن گستر جیسے طرفداروں کو بھی نہایت ہی فخر ہے کہ شبلی صاحب نے 'موازنۂ انیس و دبیر' لکھ کر کوئی ادبی معراج حاصل کر لی ہے۔ شبلی صاحب اس کتاب کی 'وجہ تصنیف' بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'مدت سے میں ایسے شاعر پر لکھنا چاہتا تھا، جو اردو شاعری کا بلند مرتبہ ثابت کرسکے'۔[۱۸]

درج بالا دو جملوں پر مشتمل اس ٹکڑے میں جو گل افشانیاں ہیں، اردو کا عام قاری بھی شبلی صاحب کی ادبی چاشنی کی بھرپور داد دے سکتا ہے اور ان کی ابہام نویسی اور اغلاق بیانی کا بغیر کسی ادنیٰ تامل کے بھی کھلا اقرار و اعتراف کرسکتا ہے۔ اس گتھی کو سلجھانے کے لیے ہم اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ ایک بار پھر مرزا عبدالوحید بیگ کا اقتباس قارئین کے روبرو کردیں۔ چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

'شبلی جی کا اصل مقصد کیا ہے۔ مذکورہ عبارت سے بالکل واضح نہیں ہوتا ہے۔ آیا شاعر سے اردو زبان کا بلند مرتبہ ثابت کرنا چاہتے ہیں یا کسی شاعر سے متعلق لکھ کر اس کا مرتبہ بلند کرنا چاہتے۔ عبارت لایعنی، مبہم اور الجھی ہوئی ہے۔ جس کے باعث عبارت اثر سے بالکل خالی ہو گئی۔ شبلی صاحب کا مقصود اصلی کیا ہے۔ اس بات کو شبلی اپنے الفاظ سے ظاہر کرنے میں معذور ہیں۔ پھر بھی اردو کے مسلم الثبوت اساتذہ کی قطار میں کھڑے کردیئے گئے۔ کیا عبارت کو پڑھ برملا نہیں کہا جاسکتا ہے کہ شبلی زبان و بیان کے ذریعہ اظہار مطلب کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے'۔[۱۹]

سرسید کے حامیوں اور حلیفوں میں ایک بڑا اونچا نام جناب مہدی افادی کا بھی لیا جاتا ہے اور مہدی کے خطوط کو مہدی بڑا ہی ادبی کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ دریں چہ شک۔ نام ہی ہے مہدی، یعنی ہدایت یافتہ اور پھر اس پر 'افادی' لاحقہ خود ہی اہمیت و افادیت کا اعلان کر رہا ہے۔ تب پھر کس یارا ہے کہ ان سے ٹکرا کر اپنا پتا پانی کرے۔ لیکن اس کا کیا جائے کہ اردو کے بیشہ میں ایک سے بڑھ کر ایک اہل نظر و تنقید ہیں جو تیشۂ تنقید لے کر اردو کی سرزمین خودرو کی صورت میں اگے جھاڑ جھنکار کی صفائی اور نشاندہی کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔ تو پہلے ملاحظہ کیجیے مہدی افادی کی عبارت اور تب پھر اس پر اہل نظر کی بشکل نقد و نظر کرم فرمائی کا اقتباس۔ جناب مہدی افادی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

'دیکھو! پھر ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ اس میں 'شمیم عطر کی لپٹ' معلوم ہوتی ہے۔ جو تمہارے بالوں سے اڑائی گئی ہے'۔[۲۰]

اس عبارت پر زبان وادب کے ایک رازداں نے یوں رائے کی ہے:

’خط کشیدہ الفاظ کو پڑھ کر آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ مہدی افادی صاحب مہمل عبارت لکھنے کے عادی ہیں۔ان کو نہ تو تراکیب کے استعمال کا سلیقہ آتا ہے، نہ ہی نثر کے عیوب سے واقفیت ہے۔ پھر بھی بقول شیخ چلی جناب اردو کے محسن اعظم اور زبان و بیان کے سکندر ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کسی گونگے کو ’فصیح اللسان‘ کہہ دیا جائے۔اب افادی صاحب کے حواریوں سے کون پوچھے۔ بھائی! ’شمیم عطر‘ کون سی ترکیب ہے۔اس ترکیب کی کوئی دوسری مثال بھی ہے۔افادی صاحب کی روح تو جواب دیتی نہیں۔ان کا کوئی نیاز مند ہی بتائے کہ ’شمیم عطر‘ کی غلط و بے ہودہ ترکیب لکھ کر افادی صاحب کیا تاثر قائم کرنا چاہتے ہیں۔’شمیم عطر کی لپٹ‘ پڑھ کر تو ابکائی آجاتی ہے۔عطر کی خوشبو کے لیے ’لپٹ‘ کا استعمال جتنا مکروہ ہے، اتنا ہی ادبی لحاظ سے مہمل بھی ہے۔خوشبو کے لیے اردو میں ’بسنا‘ لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور یہی صحیح ہے۔ذہن پر زیادہ زور دے کر افادی صاحب کی عبارت پر غور کیا جاتا ہے، تو انکشاف ہوتا ہے کہ بات انتہائی مختصر تھی۔ مگر بے محل الفاظ کی بھرمار نے فقرہ کو بروں کا چھتہ بنا دیا۔جس کے باعث عبارت کی رعنائی جھلس گئی اور تاثیر کی مٹی پلید ہوگئی‘۔[۲۱]

ابوالکلام آزاد، سیاست، مذہب اور ادب حوالے سے بھی ’امام الہند‘ کہے، بولے اور لکھے جاتے ہیں اور ان کی سحر کار شخصیت کی سحر کاری اور جادو اثری یہ ہے کہ وہ جس میدان میں اپنا قدم رکھ دیتے ہیں، اپنی ’امام الہندی‘ اور ’ابوالکلامی‘ کی مکمل چھاپ چھوڑ جاتے ہیں۔عربیت و فارسیت سے بوجھل نثر نگاری اور طول بیانی ان کی خاص شناخت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی تحریر و تقریر قاری و سامع پر اپنا تاثر قائم کرے یا نہ کرے۔ بہرکیف برطانوی حکومت کی پابندیوں کا ذکر کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

’جمعہ کے دن خطیب ممبر کے سامنے ہمہ تن انتظار ہوگا کہ شملہ سے تار آجائے، تو خطبہ پڑھنے کے لیے آمادہ ہو‘۔[۲۲]

اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے مرزا عبدالوحید بیگ نے یوں موشگافی کی ہے۔ جو تنقید سے زیادہ تضحیک پر مبنی ہے۔ یہ طرز تنقید نہ علمی ہے اور نہ معروضی۔ایسی تنقید بھی بجائے تاثر اور ذہنی فضا کی ہمواری کے تنفر اور ناہمواری کا ماحول پیدا کر دیتی ہے۔ بہرحال بیگ صاحب لکھتے ہیں:

’آزاد صاحب برمحل الفاظ لکھنے سے بھی قاصر ہیں۔ پھر بھی ’ابوالکلام‘ ہیں۔افسوس! یہ اردو کی بدقسمتی ہے یا اردو کی اندھی تقلید پرستی۔ابو الکلام آزاد نہ صرف مناسب الفاظ کے استعمال کے ہنر سے بے بہرہ ہیں، بلکہ اپنے خیالات کے اظہار میں بھی گونگے کے مانند الجھ جاتے ہیں۔خط کشیدہ فقرے کو بغور دیکھیے۔عبارت سے یہی تو ظاہر ہوتا ہے کہ خطیب خطبہ پڑھنے کو تیار بیٹھا ہے ممبر پر، بس اجازت کا انتظار ہے۔ اجازت آجائے، تو خطبہ پڑھنے کا آغاز کرے۔ مگر ابوالکلام آزاد ’آغاز‘ جو اس موقع پر نہایت مناسب و موزون تھا، کا استعمال نہ کر کے ’آمادہ‘ لفظ استعمال کرتے ہیں۔جس کا نہ محل ہے، نہ موقع کے اعتبار سے موزون ہے اور جملے کے تیور کے اعتبار سے ’آمادہ‘ سے صحیح مفہوم ظاہر نہیں ہو رہا ہے۔ابوالکلام تاثر یہی دینا چاہتے ہیں کہ خطیب اجازت آتے ہی خطبہ پڑھنے کا آغاز کرے گا۔ مگر زبان و بیان پر دسترس نہ ہونے کے باعث لولی لنگڑی زبان کو استعمال کرنا ان کی مجبوری ہے‘۔[۲۳]

اور اب اردو ادب کی عمارت کے دو بنیادی پتھر کا ذکر بھی ہو جائے۔اردو کے حلقوں میں ’’بابائے اردو‘‘ کہلائے جانے والے مولوی عبدالحق صاحب بھی اپنے اظہار مافی الضمیر اور ترسیل مدعا میں ناموزون اور بے محل الفاظ لکھ کر اس بات کا موقع فراہم کر دیا ہے کہ ’بابائے اردو‘ بھی ایسی نثر لکھے، تو پھر عام اردو داں کا حال کیا ہوگا۔ چنانچہ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کی نثر نگاری کا ایک اعلیٰ و عمدہ نمونہ یہ ہے۔ اردو کے نوجوان قلم کاروں پر طنز کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

’’بعض نوجوان انشا پردازوں کو مصنف بننے کی اس قدر عجلت ہوتی ہے کہ ان کارناموں میں ایسی قابل افسوس خامیاں رہ جاتی ہیں۔ جو

صرف محنت وغور کرنے سے رفع ہوسکتی ہیں‘‘۔[۲۴]

جس مفہوم کو اس عبارت کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ مفہوم اس سے کم عبارت سے بھی ادا ہوسکتا تھا۔ یہ طول بیان ہے۔ جو ایک بڑا عیب ہے۔ ’محنت وغور‘ نہیں، محنت ومشقت‘ لکھنا چاہیے تھا یا ’غور وفکر‘ لکھنا چاہیے تھا۔ یہ دوسرا عیب ہے۔ اسی طرح ’عجلت‘ کے بجائے ’جلدی‘ لکھا جاتا، تو عبارت زیادہ سہل، سلیس اور سادہ ہوتی۔ لفظ ’کارنامہ‘ یہاں بالکل ہی بے محل ہے۔ یہ کارنامہ کا موقع نہیں، کام لکھنا چاہیے تھا۔ کیوں کہ کام صحیح اور غلط ہوسکتا ہے۔ لیکن ’کارنامہ‘ کا لفظ تعریف وتحسین کے مقام پر استعمال کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کی یہ عبارت لفظی اور معنوی تعقیدات سے پر ہے۔ جو ان کے شایان شان نہیں۔

دبستان لکھنؤ کے شیر نر رجب علی سرور، جنھوں نے ’فسانۂ عجائب‘ تصنیف کر کے دبستانِ دہلی کو سکتے میں ڈال دیا اور میر امن دہلوی سمیت تمام دہلی والوں کے لیے ان کا فرمان چیلنج کی صورت میں سامنے آیا۔ دہلی والے جو ہمیشہ لکھنؤ والوں کو ’پورب والے‘ کہہ کر طعنہ دیا کرتے تھے۔ رجب علی سرور نے ’فسانۂ عجائب‘ لکھ کر ایسا نزلہ اتارا ہے کہ اہل دہلی کی ناک میں دم کر دیا ہے۔ چوں کہ دہلی والے سمجھتے تھے کہ بادشاہت دہلی میں ہے۔ دارالسلطنت دہلی میں ہے۔ ریاست اور نوابیت کی سند دہلی سے دی جاتی ہے۔ اہل زبان اور شعار زبان دانی بھی دہلی میں ہی ہے۔ اس لیے اہل دہلی کسی اور تہذیب اور زبان کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اس قسم کی ادبی نوک جھونک اور معرکہ آرائی کے لیے ابن انشا کی ’دریائے لطافت‘ دیکھیں۔[۲۵]

قصہ کوتاہ یہ کہ جس طرح ناسخ نے فنِ شاعری میں دبستانِ لکھنؤ کی پہلی اینٹ رکھی۔ اسی طرح نثر نگاری کے میدان میں رجب علی سرور نے اپنی اس تصنیف کے ذریعہ ایک نئے اسلوب کا جھنڈا گاڑا۔ باوجود اس کے رشید حسن خان لکھتے ہیں:

’فسانۂ عجائب‘ کی نثر میں بہت سے مقامات پر کچا پن محسوس ہوتا ہے اور لفظی رعایتوں کی غیر ضروری پابندی نے بے ڈھنگا پن بھی پیدا کیا۔ جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے۔ اس میں ان کی ’کم مشقی‘ کا دخل کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے‘۔[۲۶]

یہی رشید حسن خان پھر دوسطر آگے لکھتے ہیں:

’’رعایتِ لفظی سرور کی نثر کا عام جوہر ہے اور قافیہ بند جملے لکھنا ان کا خاص انداز ہے۔ اس میں بجائے خود کچھ ایسی خرابی نہ تھی۔ مگر لفظی رعایت کے شوق بے حد اور قافیہ بندی کے شوق بے نہایت نے کچھ مقامات پر عبارت میں خرابی بھی پیدا کر دی ہے‘‘۔[۲۷]

اس طرح متعدد مقامات کی نشاندہی کرتے ہوئے اگلے صفحے پر موصوف رقمطراز ہیں:

’’یا مثلاً سردی کے بیان کو دیکھیے، جو ص: ۳۲۶ سے ص: ۳۲۸ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس بیان کے متعدد ٹکڑوں کو غیر ضروری اور غیر متناسب لفظی رعایتوں اور قافیہ بندی کے ہَو کے نے بے مزہ، بلکہ بدمزہ بنا دیا ہے۔ صرف دو جملے بطور نمونہ کافی ہوں گے:

’اشکِ شمع انجمن لگن تک گرتے گرتے اُولا تھا پروانوں نے پھرتے پھرتے ٹٹولا تھا‘ ’بندوق میں لاگ نہ تھی۔ چانپ کے پتھروں میں آگ نہ تھی۔ توڑا ہر ایک گل تھا۔ توتے کی جگہ شور بلبل تھا‘‘۔[۲۸]

یہ چند شواہد و نظائر بطور ’’مشتے نمونہ از خروارے‘‘ بس ہیں۔ ورنہ ان نامورانِ ادب اور شہرۂ آفاق ہندوستان کے ادبی شہ پاروں میں بہت سے ’’مقاماتِ آہ وفغاں‘‘ اور بھی ہیں۔ جو کسی بسیط مقالے کا متقاضی ہیں۔ پھر بھی طرہ وغرہ ہے کہ یہ افراد نامورانِ اردو ہیں۔

☆ ☆ ☆

[۱] مجلّہ 'گیسوئے اردو' مطبوعہ شعبۂ اردو وفارسی گلبرگہ یونیورسیٹی گلبرگہ ۲۰۱۱ء، ص:۸
[۲] محدث بریلوی، از پروفیسر محمد مسعود احمد، طبع کراچی، ۱۹۸۳ء، ص:۲۲
[۳] علی گڑھ سے دیوبند تک، از ڈاکٹر اکبر رحمانی، مکتبہ آموزگار، مالگاؤں،
مطبوعہ تبصرہ ماہنامہ 'اردو بک ریویو' دہلی، مئی جون ۱۹۹۹ء، ص:۲۹
[۴] امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، از ڈاکٹر غلام جابر شمس، مضمون ڈاکٹر امجد رضا امجد، طبع بمبئی، ۲۰۱۱ء، ص:۱۱۶
[۵] امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، از ڈاکٹر غلام جابر شمس، مضمون ڈاکٹر امجد رضا امجد، طبع بمبئی، ۲۰۱۱ء، ص:۱۱۷
[۶] امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، از ڈاکٹر غلام جابر شمس، مضمون ڈاکٹر امجد رضا امجد، طبع بمبئی، ۲۰۱۱ء، ص:۱۱۷
[۷] امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، از ڈاکٹر غلام جابر شمس، مضمون ڈاکٹر امجد رضا امجد، طبع بمبئی، ۲۰۱۱ء، ص:۱۱۶
[۸] امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، از ڈاکٹر غلام جابر شمس، مضمون ڈاکٹر امجد رضا امجد، طبع بمبئی، ۲۰۱۱ء، ص:۱۱۷
[۹] امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، از ڈاکٹر غلام جابر شمس، مضمون ڈاکٹر امجد رضا امجد، طبع بمبئی، ۲۰۱۱ء، ص:۱۱۸
[۱۰] امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، از ڈاکٹر غلام جابر شمس، مضمون ڈاکٹر امجد رضا امجد، طبع بمبئی، ۲۰۱۱ء، ص:۱۱۸
[۱۱] کلیاتِ اقبال، از ڈاکٹر اقبال، طبع دہلی، بار نہم، ۲۰۰۳ء ص:۱۲
[۱۲] بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۲۷
[۱۳] بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۲۷
[۱۴] بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۲۷
[۱۵] تاریخ ادب اردو، ص:۸۶، بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۲۲
[۱۶] الفاروق، ص:۳۷، بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۳۴
[۱۷] بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۳۴
[۱۸] موازنہ انیسؔ و دبیرؔ، ص:۳۰، بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولوی حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۳۴
[۱۹] بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۳۴
[۲۰] آئینۂ ادب، ص:۱۵۸، بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۳۵
[۲۱] بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۳۵
[۲۲] بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۳۶
[۲۳] بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۳۶
[۲۴] آئینۂ ادب، ص:۲۱۵، بحوالہ: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی، مولانا حسنؔ بریلوی نمبر، ۱۹۹۴ء، ص:۳۴
[۲۵] مقدمہ 'فسانۂ عجائب'، مصنفہ رجب علی سرورؔ، مرتبہ رشید حسن خان، انجمن ترقی اردو دہلی، بار سوم ۲۰۰۲ء، ص:۶، ۷
[۲۶] مقدمہ 'فسانۂ عجائب'، مصنفہ رجب علی سرورؔ، مرتبہ رشید حسن خان، انجمن ترقی اردو دہلی، بار سوم ۲۰۰۲ء، ص:۱۵
[۲۷] مقدمہ 'فسانۂ عجائب'، مصنفہ رجب علی سرورؔ، مرتبہ رشید حسن خان، انجمن ترقی اردو دہلی، بار سوم ۲۰۰۲ء، ص:۱۵
[۲۸] مقدمہ 'فسانۂ عجائب'، مصنفہ رجب علی سرورؔ، مرتبہ رشید حسن خان، انجمن ترقی اردو دہلی، بار سوم ۲۰۰۲ء، ص:۱۶

درس حدیث دسویں قسط

مشکل احادیث اوران کا حل

از: مولانا کوثر امام قادری، مہراج گنج

مخلوق اول کون ہے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے کائنات گیتی کے زلفوں کوسنوارا، پیڑ، پودے، پہاڑ، سمندر، دریا، انسان، جنات، فرشتے وغیرہ ساری چیزیں تخلیق فرمائی، ہمارے لیے بس اتنا کافی تھا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، کون پہلے پیدا ہوا، کس کی بعد میں پیدائش ہوئی، اولیت کا شرف کس کو حاصل ہے؟ اس کی تحقیق وتلاش میں سرکھپانا کچھ ضروری نہ تھا۔لیکن کتب حدیث میں اس طرح کی کچھ روایتیں ملتی ہیں، جن میں اولیت خلق کا ذکر ہے، اور اولیت کو فضیلت کے باب میں شمار کرتے ہوئے خوش عقیدہ مسلمانوں نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اول مخلوق تسلیم کیا۔جبکہ دوسرے افراد شدومد کے ساتھ اس کی تردید کرتے ہیں ۔اس لیے اس کا مطالعہ بہرحال مفید ہے۔جن چیزوں پر اولیت خلق کا حکم لگایا گیا ہے، وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) پانی (۲) عقل (۳) قلم (۴) روح نبی (۵) نور نبی (۶) ظلمت (۷) ہوا۔

کتب حدیث، کتب سیرت، کتب تصوف وغیرہ میں اس طرح کی بہت ساری روایتیں مذکور ہیں۔ یہاں پر صرف چند روایتوں پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ ہاں، بحث کا تعلق اولیات کے باب میں مذکور ساری روایتوں سے ہے۔

(۱) پہلی مخلوق پانی:

﴿عن عمران بن حصین رضی اللّٰہ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کان اللّٰہ ولم یکن شیء غیرہ وکان عرشہ علی الماء وکتب فی الذکر کل شیء وخلق السموات والارض﴾ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا۔اللہ تعالیٰ موجود تھا، حالانکہ اس کے سوا کوئی چیز موجود نہ تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے ہر چیز کی تقدیر لوح محفوظ میں لکھ دی اور آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔(بخاری)

(۲) پہلی مخلوق قلم

﴿عن عبادہ بن الصامت رضی اللّٰہ عنہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول ما خلق اللّٰہ القلم فقال لہ اکتب قال رب وماذا اکتب ؟ قال: اکتب مقادیر کل شیء حتی تقوم الساعۃ﴾ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں۔میں نے سنا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا، پھراس سے فرمایا: لکھ! قلم نے عرض کیا۔میرے مولیٰ! کیا لکھوں؟ ارشادہوا۔قیامت تک ہونے والی ساری چیزوں کی تقدیر لکھ۔(ترمذی)

(۳) پہلی مخلوق ہوا

﴿عن ابی رزین قال قلت یارسول اللّٰہ این کان ربنا قبل ان یخلق خلقہ ؟قال کان فی عماء ما تحتہ ہواء وما فوقہ ہواء وخلق عرشہ علی الماء﴾ حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا۔یارسول اللہ! ہمارا رب مخلوقات کی تخلیق سے پہلے کہاں تھا؟ فرمایا۔وہ برسنے والے بادل کے اندر تھا۔اس کے نیچے ہواتھی اور اس کے اوپر ہواتھی اور اپنے عرش کو پانی پر پیدا فرمایا۔(ابن ماجہ)

(۴) پہلی مخلوق نور محمدی

﴿عن عبد الرزاق عن معمر عن ابن المنکدر عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ قال سألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن اول شیء خلقہ اللّٰہ تعالیٰ فقال ھو نور نبیک یا جابر خلقہ ......الحدیث﴾ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سی چیز ہے جس کواللہ تعالی نے سب سے پہلے پیدافرمایا؟ ارشاد ہوا۔ جابر! تیرے نبی کا نور ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا۔(الجزء المفقو د من المصنف ص:۶۳، ۶۴)

یہ چارطرح کی روایتیں مذکور ہیں۔ان کے علاوہ صوفیا کی کتابوں میں دوسری روایات بھی ملتی ہیں مثلاً ﴿اول ماخلق اللّٰہ العقل،اول ماخلق اللّٰہ الروح،اول ماخلق اللّٰہ نوری،اول ماخلق اللّٰہ روحی،اول ماخلق اللّٰہ روح نبیک یاجابر﴾

ان ساری روایات کے مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اول مخلوق کون سی چیز ہے؟ ان میں ہر پہلی والی دوسری سے متضاد ہے۔

حل اشکال

بعض علمانے مذکورہ روایات میں سے کسی ایک کو لے لیا او بقیہ سب پر قلم پھیر دیا۔ کسی کو معلول کہا، کسی پر موضوع ہونے کا حکم جڑ دیا، کسی کو کچھ کہا، جبکہ ماہرین حدیث وغیرہ نے سب میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ جو حدیثیں صحیح معنوں میں قابل رد نہیں ہیں، وہ مردود ہونے سے محفوظ رہیں۔

تصادم وتعارض کی صورت میں سب سے اچھا طریقہ جمع وموافقت پیدا کرنا ہے، چنانچہ مقدس علمائے کرام وصوفیائے عظام نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ اس پر خامہ فرسائی کی ہے۔ یہاں ان کے تراجم نقل کرتا ہوں۔

(۱) شارح حدیث امام عینی فرماتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام احمد اور امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا، پھر اسے ارشاد ہوا۔ لکھ، تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، لکھ دیا۔ حسن، عطا، مجاہد کا یہی مختار ہے، اور ابن جریر اور ابن جوزی کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نور وظلمت کو پیدا کیا، پھر ان کو ممتاز کیا، اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا تو ان مختلف روایات میں کس طرح موافقت پیدا ہوگی؟ میں (امام عینی) کہتا ہوں کہ ان میں موافقت اس طرح ہے کہ ہر چیز کی اولیت اضافی ہے اور ہر چیز اپنے اور بعد والوں کے اعتبار سے اول ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۵، ص ۱۰۹)

(۲) شارح بخاری امام قسطلانی نے حدیث جابر اور حدیث ﴿اول ماخلق اللّٰہ القلم،ان الماء خلق قبل العرش ،ان اللّٰہ لم یخلق شیئا ماخلق قبل الماء﴾ وغیرہ لکھ کر فرماتے ہیں: قلم کی اولیت ان مخلوقات کی نسبت ہے جو نور محمدی، عرش اور پانی کے سوا ہیں۔ ان چیزوں میں جو اولیت ہے، وہ اضافت کی وجہ سے ہے، جو ان کی جنس کی طرف ہے جیسے اول وہ شئ کہ اللہ تعالی نے پیدا کی ہے، میرا نور ہے۔ ایسے ہی باقی اشیا میں کہا جائے کہ اول وہ شئ پیدا کی گئی ہے کہ لکھتی ہے، وہ قلم ہے، جس نے مخلوق کی تقدیریں لکھی۔ اول وہ شئ پیدا کی گئی، جس پر عرش ہونا صادق آتا ہے، وہ اللہ تعالی کا عرش ہے۔

قاضی بیضاوی نے اولیت کو اجرام سماوی کی اولیت کے ساتھ مقید کیا ہے، نہ کہ مطلقاً، بلکہ اللہ تعالی کے ارشاد ﴿ورب العرش العظیم﴾ کے معنی میں کہا ہے۔ عرش وہ ہے کہ وہ اول اجرام ہے، اور کل اجرام ہے، اور کل اجرام سے اعظم ہے اور کل اجرام پر محیط ہے۔ (سیرت محمد یہ ترجمہ المواہب اللدنیہ جلد اول ص: ۴۸)

(۳) غیر مقلدوں کے معتمد نواب وحید الزماں حیدر آبادی نے لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خلق کی ابتدا نور محمدی سے کی ہے، پھر عرش کو پیدا کیا، پھر پانی کو، پھر ہوا کو، پھر دوات کو اور قلم ولوح کو پیدا کیا، پھر

عقل کو پیدا کیا، پس آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان کی پیدائش کا مادہ اولیٰ نوری محمدی ہے۔

اس پر حاشیہ لگایا ہے ﴿المراد به الاولية الاضافية﴾ وہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ سب سے اول قلم ہے یا عقل، مراد اولیت اضافیہ ہے۔

(۴) حضرت علامہ سید شریف جرجانی منطقی انداز میں فرماتے ہیں: حکما نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا ہے، جیسا کہ صریح حدیث میں یہ وارد ہے۔ بعض علما نے کہا ہے کہ اس حدیث اور دوسری حدیثوں میں مطابقت ہے۔ وہ حدیثیں یہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اور اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور مطابقت اس طرح ہے کہ مولود اول اس لحاظ سے کہ صرف اس کی ذات کا یہ حیثیت مبدا تعقل کیا جائے تو وہ عقل ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ باقی موجودات اور نفوس علوم کے صدور میں واسطہ ہے تو وہ قلم ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ انوار نبوت کے افاضہ میں واسطہ ہے تو وہ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔ (شرح مواقف جلد ۷، ۲۵۴)

(۵) دیوبندی جماعت کے معتمد شیخ اشرف علی تھانوی نے حدیث جابر بن عبداللہ کو نقل کر کے فائدہ کے طور پر لکھا ہے کہ اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوتا ہے، کیونکہ جن جن اشیا کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے، ان اشیا کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔ (نشر الطیب ص:۷)

(۶) امام حلوان فرماتے ہیں: ﴿ان اولية النور المحمدى فيه يعارضهاماجاء باسانيد متعددة ان الله تعالى لم يخلق شيئا مماخلق قبل الماء وكذا خبر اول ما خلق الله روحى وخبر اول ما خلق الله القلم وخبر اول ماخلق اللّٰه اللوح وخبر اول ماخلق الله العقل وغير ذالك من اخبار الاولية ثم هى متعارضة فكيف الجمع بينهما﴾ بیشک نور محمدی کی اولیت کے معارض متعدد سندوں سے روایتیں آئی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے پانی سے پہلے کسی چیز کو پیدا نہیں فرمایا، ایسے ہی یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میری روح کو پیدا کیا، ایسے ہی یہ حدیث کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا، ایسے ہی یہ حدیث کہ سب سے پہلے اللہ نے لوح کو پیدا فرمایا، پھر ایسے ہی یہ حدیث کہ سب سے پہلے اللہ نے عقل کو پیدا فرمایا تو یہ ساری اولیت کی خبریں آپس میں متعارض ہیں تو ان میں موافقت کیسے ہوگی؟

﴿وجوابه: ان النور الشريف هواول مخلوق على الاطلاق واما اولية غيره فنسبة الماء بالنسبة لما عدا النور الشريف واما اولية الروح الشريفة والقلم الاعلى واللوح المحفوظ نسبة الى ما بعد ها من المخلوقات اوالى جنسها من الارواح والاقلام والالواح﴾ پس اس کا جواب: نور شریف مطلق طور پر سب سے پہلی مخلوق ہے، بعد اس کے غیر کی اولیت اضافی ہے، تو پانی کی اولیت نور شریف کے علاوہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے اور روح وقلم اعلیٰ ولوح محفوظ کی اولیت مخلوقات میں سے اپنے مابعد کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے، یا اس کی جنس کی طرف نسبت کرتے ہوئے یعنی ارواح واقلام وارواح کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔

﴿نعم لخبر اول ماخلق الله العقل اولخبر اول ما خلق اللّٰه نورى، اذا الحقيقة المحمدية يعبر عنها تارة بالعقل وتارة بالنور كما فى يواقيت الشعرانى بل ذكر غيرواحد ان تلك الاسماء كلهااسماء للنور الشريف فباعتبار نورانية واضافته الانواريسمىٰ نورًا، وباعتبار انه سبب نقوش العلوم وجريان الامور وفق متابعته كاقلام الملوك يسمىٰ قلمًا وباعتبار مظهرية للعلوم يسمى لوحًا وباعتبار وفورالعقل فيه يسمى عقلًا وباعتبارانه سبب وجود الكائنات وحياتها الحسية والمعنوية يسمى روحًا ومــاءً ا﴾ ہاں یہ حدیث کہ سب سے پہلے اللہ تعالی نے عقل کو پیدا کیا یا یہ حدیث کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا (تو ان دونوں سے مراد) حقیقت محمدی ہی ہے۔ بقیہ 21 پر:

فقہی تحقیق

کلمہ تشہد پر انگلی کا اشارہ حدیث وفقہ کی روشنی میں

مفتی فیضان المصطفٰی قادری (امریکہ)

نماز میں قعدہ کی حالت میں التحیات پڑھنا واجب ہے۔اور اس میں (کلمہ تشہد پر) انگلی سے اشارہ کرنا سنت ہے۔متاخرین حنفی فقہانے اس کا طریقہ یہ بیان کیا ہے کہ کلمہ ''لا الٰہ'' پر شہادت کی انگلی اٹھائے اور کلمہ ''الا اللہ'' پر انگلی گرادے۔تا کہ انگلی اٹھانا نفی کے لیے ہو اور گرادینا اثبات کے لیے۔اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ طریقہ حدیث کے خلاف ہے، یا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔انگلی سے اشارہ التحیات کے آغاز سے ہی کرنا چاہیے۔اور مسلسل انگلی اٹھائے رکھنا چاہیے یا اس کو حرکت دیتے رہنا چاہیے وغیرہ۔حالانکہ انگلی شروع سے ہی اٹھائے رکھنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔سوشل میڈیا پر اس مسئلے پر چھوٹے چھوٹے بیانات بھی پھیلائے جارہے ہیں، اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مسئلے کو احادیث اور فقہ کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کریں۔

واضح رہے کہ اس مسئلے میں خود ائمہ حنفیہ سے دوقول مروی ہیں (۱) تشہد میں انگلی سے اشارہ نہیں کرنا ہے۔(۲) اشارہ کرنا ہے۔ کچھ کتب فقہ مثلاً ولوالجیہ، تجنیس وغیرہ میں قول اول مذکور ہے، اور کچھ کتب میں قول ثانی، مثلاً بدائع، نہایہ، معراج، شروح منیہ، قہستانی، نہر الفائق، ظہیریہ، اور شرح نقایہ وغیرہ۔لہٰذا متاخرین فقہا میں سے بعض نے دونوں قول ذکر کیے ہیں، مثلاً البحر الرائق، درمختار اور فتاویٰ ہندیہ وغیرہ۔بلکہ بعض کتب متون میں اس کا سرے سے ذکر ہی نہیں، مثلاً قدوری، المختار وغیرہ۔محقق علی الاطلاق امام کمال الدین ابن ہمام نے فتح القدیر میں قول ثانی کو روایت ودرایت سے ترجیح دیتے ہوئے اسے ائمہ مذہب کا قول قرار دیا۔اور علامہ سید محمد ابن عابدین شامی نے اس قول ثانی کے اثبات میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ''رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشہد'' اور اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ردالمحتار اور البحر الرائق کے حاشیے میں اس کے کچھ اقتباسات دیے ہیں۔ہم ان تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے صرف اس مسئلے پر غور کرتے ہیں کہ اشارہ کب اور کس طرح کرنا ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب نور الایضاح میں ہے:

وقرأ تشهد ابن مسعود رضي اللّٰه عنه وأشار بالمسبحة في الشهادة يرفعها عند النفي ويضعها عندا لاثبات. (نور الایضاح باب کیفیة ترکیب الصلاة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد پڑھے اور شہادت کی انگلی سے کلمہ شہادت پر اشارہ کرے، نفی پر اٹھائے اور اثبات پر گرادے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

واذا انتهى الى قوله اشهد ان لا اله الا اللّٰه يشير بالمسبحة. (عالگیری اول صفحہ ۷۵)

ترجمہ: جب اشہد ان لا الٰہ الا اللہ پر پہنچے تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔

منیۃ المصلی میں ہے:

ويشير بالسبابة اذا انتهى الى الشهادتين وقال فى الواقعات لايشير فان اشار يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى بالابهام. (منية المصلى صفحه ۳۲۸)

ترجمہ: جب شہادتین کے کلمے پر پہنچے تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔واقعات میں فرمایا کہ اشارہ نہ کرے۔تو اگر اشارہ کرے تو خنصر بنصر کو موڑ لے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنالے۔

احادیث سے استدلال:

اب درج ذیل میں کتب حدیث سے اس سلسلے میں رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں

امام ابوعیسیٰ ترمذی کے مطابق اس سلسلے میں چھ صحابہ کرام سے حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، نمیر خزاعی ابوہریرہ، ابوحمید اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہم۔ ہمیں تتبع کے بعد ان میں سے پانچ صحابہ کرام کی حدیثیں ملیں جو درج ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت:

(۱) ترمذی شریف میں امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کتاب الصلاۃ میں ایک باب قائم کیا: باب ماجاء فی الاشارۃ۔ اس کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت درج کی:

ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا جلس في الصلوٰة وضع يده اليمنىٰ على ركبته ورفع اصبعه التي تلي الابهام يدعو بها ويده اليسرىٰ على ركبته باسطها عليه. (ترمذی ۱/۱۷۱)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا داہنا ہاتھ اپنے گھٹنے پر رکھتے اور انگوٹھے سے ملی ہوئی انگلی سے اشارہ کرتے اس سے دعا کرتے ہوئے اور اپنا بایاں ہاتھ اپنے گھٹنے پر پھیلائے رکھتے۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت مسلم شریف میں یوں ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى وعقد ثلاثا وخمسين وأشار بالسبابة. (صحيح مسلم ۱/۲۱۶)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور داہنا ہاتھ داہنے گھٹنے پر رکھتے اور ترپن کا نشان بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ (ترپن کے نشان کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں چھوٹی انگلیاں ہتھیلی سے ملا کر درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائیں۔)

دوسری روایت یوں ہے:

(۳)عن علي بن عبدالرحمن المُعاوي انه قال رآني عبدالله بن عمر وأنا أعبث بالحصى في الصلاة فلما انصرف نهاني فقال: اصنع كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع فقلتُ وكيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع؟ فقال: كان اذا جلس في الصلاة وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنى وقبض أصابعه كلها وأشار باصبعه التي تلي الابهام ووضع كفه اليُسرى على فخذه اليُسرىٰ. (صحيح مسلم باب صفة الجلوس في الصلاة وكيفية وضع اليدين رقم الحديث 116)

ترجمہ: علی بن عبدالرحمٰن نے کہا: مجھے عبداللہ بن عمر نے دیکھا کہ میں نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا، جب فارغ ہوئے تو مجھے منع کیا اور بولے: جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے ویسے کیا کرو! میں نے عرض کی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے کرتے تھے؟ فرمایا: جب نماز میں بیٹھتے تو دائی ہتھیلی اپنی داہنی ران پر رکھتے اور تمام انگلیاں پکڑ کر انگوٹھے سے قریب والی انگلی سے اشارہ فرماتے۔ اور اپنی بائیں ہتھیلی اپنی بائیں ران پر رکھتے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت:

(۴) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت میں مسلم شریف میں اس کی کیفیت یوں ہے:

ووضع يده اليسرى على ركبته اليسرى ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى واشار باصبعه .

ترجمہ: اور اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر اور داہنا ہاتھ اپنے دائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے۔

(۵) مسلم شریف میں دوسری سند سے عبداللہ بن الزبیر کی روایت میں اس کی تفصیل یوں ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قعد

یدعو وضع یده الیمنی علی فخذه الیمنی ویده الیسری علی فخذه الیسری واشار باصبعه السبابة ووضع ابهامه علی اصبعه الوسطی ویلقم کفه الیسری رکبته.

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لیے بیٹھتے تو اپنا داہنا ہاتھ اپنی داہنی ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنا انگوٹھا اپنی درمیانی انگلی پر رکھتے۔ اور بائیں ہتھیلی آپ کے گھٹنے پر ہوتی۔

(۶) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت نسائی میں "باب الاشارہ بالاصبع فی التشهد الاول" میں ہے:

یضع یدیه علی رکبتیه ثم أشار باصبعه. (نسائي اول ۱۳۰)

ترجمہ: اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنی انگلی سے اشارہ کرتے۔

انھیں کی روایت سنن ابوداود میں **باب الاشارة في التشهد** میں یوں ہے:

(۷) **ان النبي صلی الله علیه وسلم کان یشیر باصبعه اذا دعاه ولا یحرکها.**

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اور اسے ہلاتے نہ تھے۔

حضرت نمیر خزاعی رضی اللہ عنہ کی روایت:

(۸) حضرت نمیر خزاعی رضی اللہ عنہ کی روایت سنن ابی داود اور سنن ابن ماجہ میں باب الاشارۃ فی التشہد میں ہے:

رأیت النبي صلی الله علیه وسلم واضعاً یده الیمنیٰ علی فخذه الیمنی فی الصلوٰة ویشیر باصبعه.

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز میں اپنا داہنا ہاتھ اپنی داہنی ران پر رکھے ہوئے ہیں اور اپنی انگلی سے اشارہ کررہے ہیں۔

(۹) ابوداود میں یوں ہے:

رأیت النبي صلی الله علیه وسلم واضعاً ذراعه الیمنی علی فخذه الیمنیٰ رافعاً اصبعه السبابة قدحنّاها شیئاً. (سنن ابی داؤد ۱/۱۴۲)

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ داہنا ہاتھ اپنی داہنی ران پر رکھے ہوئے شہادت کی انگلی اٹھائے ہوئے ہیں تھوڑا جھکا کر۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت:

(۱۰) اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی سنن ابن ماجہ میں ہے۔

رأیت النبي صلی الله علیه وسلم قد حلق الابهام والوسطیٰ ورفع التي تلیهما یدعو بها في التشهد. (سنن ابن ماجه صفحه ۶۵)

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنایا اور دونوں سے ملی ہوئی انگلی کو اٹھایا اس سے تشہد میں دعا کرتے ہوئے۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت:

(۱۱) حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت مصنف عبدالرزاق میں یوں ہے:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا جلس فی الصلاة فی الرکعتین الاولیین نصب قدمه الیمنی وافترش الیسری وأشار باصبعه التي تلي الابهام الخ. (مصنف عبدالرزاق باب الاقعاء فی الصلاۃ رقم الحدیث 3046)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں پہلی دو رکعتوں پر بیٹھتے تو داہنا پاؤں کھڑا رکھتے اور بایاں پاؤں بچھا دیتے اور انگوٹھے سے متصل انگلی سے اشارہ فرماتے۔

خلاصہ احادیث:

مذکورہ تمام احادیث پر نظر ڈالیں تو چند باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) تمام حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قعدہ میں انگلی سے اشارہ کرنا ہے۔

(۲) چند روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اشارہ شہادت کی

انگلی سے کرنا ہے۔

(۳) مسلم شریف کی حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت اورحضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ بیچ کی انگلی اورانگوٹھے کا حلقہ بنا کراشارہ کرنا ہے۔

(۴) مذکورہ اکثر احادیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دونوں کام یعنی ہاتھوں کو ران پر رکھنا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا ساتھ ساتھ کرتے تھے یا آگے پیچھے؟ کیوں کہ ''وضع یدہ الیمنی علی رکبته الیمنی وأشار باصبعه ''میں واومحض جمع کے لیے ہے،معیت یا تقدم وتاخر پراس کی کوئی دلیل نہیں ،جیسا کہ علمائے لغت واصول کا اس پر جزم ہے۔لیکن نسائی شریف کی روایت کے مطابق اس میں ترتیب بھی مستفاد ہے۔کیوں کہ نسائی کی روایت یوں ہے:**یضع یدیه علی رکبتیه ثم أشار باصبعه**" اور''ثم ''تراخی (کچھ دیر میں کرنے) پر دلالت کرتا ہے۔یعنی اس کا مفہوم یہ ہوا کہ پہلے دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھ دیے پھرتھوڑی دیر بعد اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ دونوں کام شروع سے ہی نہیں کرنا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اشارہ بعد میں کب کرنا ہے؟مذکورہ احادیث کے کسی لفظ سے اس پر رہنمائی نہیں ملتی ،لہٰذا ائمہ مذہب سے بھی مقام اشارہ پرکوئی قول مروی نہیں۔لیکن متاخرین میں سے امام حلوانی نے اسے قیاس سے متعین کیا ہے کہ کلمہ شہادت کی نفی پر انگلی اٹھائے اوراثبات پررکھ دے تاکہ دل کے ساتھ ساتھ عضوظاہر سے بھی سب سے الوہیت کی نفی اورصرف اللہ کے لیے اس کے اثبات کا اظہار ہوجائے۔

(۵)اس تقدم وتاخرکوامام ابن ہمام نے دوسرے انداز میں یوں واضح کرنے کی کوشش کی ہے:

مسلم شریف کی روایت میں **وضع کفه الیمنی علی فخذہ الیمنی** کے الفاظ ہیں جس کا صاف مطلب ہے کہ داہنی ہتھیلی داہنی ران پر رکھنی ہے اورانگلیوں کا حلقہ بنا کراشارہ بھی کرنا ہے۔غورکیا جائے تو ہتھیلیوں کوران پر رکھتے ہوئے انگلی کا حلقہ بنانا ممکن نہیں۔جوں ہی بیچ کی انگلی اورانگوٹھے کا حلقہ بنائیں گے ہتھیلی ران سے اوپر اٹھ جائے گی۔اس لیے ان تمام روایتوں پرجمع وتطبیق کی یہی صورت ہے کہ اولاً ہتھیلی تمام انگلیوں کے ساتھ ران پر پھیلا دے پھر اشارہ کرنے کے لیے انگلیوں کا حلقہ بنائے۔

چنانچہ امام ابن ہمام فتح القدیر میں مسلم شریف کی مذکورہ روایت ذکرکرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ولاشک ان وضع الکف وقبض الاصابع لایتحقق فالمراد والله اعلم وضع الکف ثم قبض الاصابع بعد ذلک عند الاشارة وھو المروی عن محمد في کیفیة الاشارة قال : یقبض خنصرہ والتي تلیھا ویحلق الوسطی والابھام ویقیم المسبحة وکذا عن أبي یوسف رحمه الله في الامالي وھذا فرع تصحیح الاشارة، وعن کثیر من المشائخ لایشیر اصلاً وھو خلاف الدرایة والروایة، فعن محمد ان ما ذکرناہ فی کیفیة الاشارة مما نقلناہ قول ابی حنیفة رضی الله عنه ویکرہ ان یشیر بمسبحتیه، وعن الحلواني یقیم الاصبع عند لا اله ویضعھا عند الا الله لیکون الرفع للنفي والوضع للاثبات . (فتح القدیر ۱/۳۲۱)

ترجمہ: بلاشبہ ہتھیلی کو رکھنا اور انگلیوں کو پکڑنا نہیں ہوسکتا،تو مراد یہ ہے واللہ اعلم کہ ہتھیلی رکھے پھراس کے بعد اشارہ کرتے وقت انگلیاں پکڑے۔اورامام محمد سے اشارہ کی کیفیت میں ایسا ہی مروی ہے فرماتے ہیں: چھنگلیا اوراس کے بعد والی انگلی پکڑ لے اور درمیان انگلی اورانگوٹھے کا حلقہ بنا اور شہادت کی انگلی سیدھے کرے۔ایسا ہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے امالی میں مروی ہے۔اور یہ اشارہ کی صحت کی فرع ہے۔اور جو کثیر مشائخ سے مروی ہے کہ بالکل اشارہ نہ کرے گا وہ درایت وروایت دونوں کے خلاف ہے۔کہ امام محمد نے فرمایا کہ جو کیفیت اشارہ ہم نے بیان کیا ہے وہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں سے اشارہ کرنا مکروہ ہے۔امام حلوانی نے فرمایا کہ لا الہ پر انگلی اٹھائے اورالا اللہ پر گرادے

تاکہ اٹھانا نفی کے لیے ہو اور گرانا اثبات کے لیے۔

کلمہ شہادت پر اشارہ کرنا چاہیے اس سلسلے میں امام حلوانی کے مذکورہ بیان کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ اس اشارے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار ہے۔ چنانچہ امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں ایک روایت ذکر کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

ابوالقاسم مقسم مولی عبداللہ بن حارث بن نوفل کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ میں مسجد بنو غفار میں نماز ادا کر رہا تھا اور قعدہ میں میں نے اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور داہنا ہاتھ داہنی ران پر رکھا اور اپنی شہادت کی انگلی اٹھایا، مجھے حضرت خفاف بن ایماء غفاری جو کہ صحابی ہیں انھوں نے ایسا کرتے دیکھا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد بولے: کہ تم نے اپنی انگلی کیوں اٹھائی؟ میں نے کہا: اس لیے کہ لوگوں کو یوں ہی کرتے دیکھا، فرمایا: تم نے ٹھیک کیا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو ایسا کرتے، اور مشرکین کہتے کہ محمد اپنی انگلی سے ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ جادو کریں، وہ جھوٹے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسا اس لیے کرتے تھے کہ اس کے ذریعہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی توحید کا اظہار کریں۔ سنن کبریٰ للبیہقی میں حدیث کے کلمات یوں ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا صلى يصنع ذلك وكان المشركون يقولون انما يصنع هذا محمد باصبعه ليسحر، وكذبوا ، انما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع ذلك لما يُوحّد بها ربَّه تبارك وتعالىٰ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي باب ما ينوى المشير باشارته في التشهد رقم 2793)

واضح رہے کہ کئی حدیثوں میں جو یہ ہے ''دعا کرتے تھے'' اس دعا سے مراد تشہد ہے، کیوں کہ تشہد دعا پر بھی مشتمل ہے۔

اب اس مقام پر ہم درمختار اور ردالمحتار کے کچھ اقتباسات پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

درمختار میں ہے کہ معتمد وہ ہے جس کو شارحین مذہب خصوصاً متاخرین مثلاً کمال حلبی، بہنسی، باقانی اور شیخ الاسلام وغیرہم نے صحیح قرار دیا ہے کہ 'اشارہ کرے گا' کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے۔ اور یہ قول امام محمد اور امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے۔ بلکہ دررالبحار اور اس کی شرح غررالافکار میں ہے کہ ہمارے نزدیک مفتی بہ یہ ہے کہ تمام انگلیاں پھیلا کر اشارہ کرے گا۔ اور شرنبلالیہ میں برہان سے ہے کہ صرف شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے گا نفی پر اٹھائے گا اور اثبات پر گرادے گا۔ درمختار کی عبارت یہ ہے:

لكن المعتمد ما صححه الشراح ولاسيما المتأخرون كالكمال الحلبي والبنهنسي والباقاني وشيخ الاسلام الجد وغيرهم انه يشير لفعله عليه الصلاة والسلام ونسبوه لمحمد والامام بل في متن درر البحار وشرحه غرر الاذكار المفتى به عندنا انه يشير باسطا اصابعه كلها وفي الشرنبلالية عن البرهان انه يشير بمسبحته وحدها يرفعها عند النفي ويضعها عند الاثبات.

اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جس کی تصحیح شراح مذہب نے کی ہے وہی مفتی بہ ہے، لیکن درست یہ ہے کہ ''باسطا اصابعہ کلھا'' یعنی تمام انگلیاں پھیلا کر'' کا جملہ حذف کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ جملہ دررالبحار اور غررالافکار میں نہیں ہے۔ دررالبحار میں ہے کہ ''ترپن کا نشان (انگلیوں کا حلقہ) نہ بناؤ اور اشارہ نہ کرو، اور فتویٰ اس کے خلاف ہے''۔ اس کی شرح غررالافکار میں ہے: ''فتویٰ اس پر ہے کہ ترپن کا نشان (انگلیوں کا حلقہ) بنا کر اشارہ کیا جائے جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ہے۔ اور محیط میں ہے کہ اشارہ سنت ہے نفی پر انگلی اٹھائے اور اثبات پر گرادے، اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا ہے، اور اس پر کثیر آثار واحادیث وارد ہوئیں تو اسی پر عمل بہتر ہے''۔ یہ دونوں عبارتیں صریح ہیں کہ فتویٰ اسی پر ہے کہ انگلیوں کا حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا ہے نہ کہ انگلیاں بچھا کر۔ کیونکہ ہمارے نزدیک انگلیاں بچھا کر اشارہ ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے منیۃ المصلی میں فرمایا کہ اگر اشارہ کرے تو خنصر بنصر کوکو موڑ لے اور بیچ

کی انگلی کا انگوٹھے سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سیدھی کردے۔امام ابن عابدین شامی کی عبارت یہ ہے:

بل فی متن درر البحار وشرحہ الخ اضراب انتقالی لان فی ھذا النقل التصریح بان ما صححہ الشراح ھو المفتی بہ لکن الصواب اسقاط قولہ باسطا اصابعہ کلھا فانہ مخالف لما رأیتہ في درر البحار وشرحہ ونص عبارۃ درر البحار : ولا تعقد ثلاثۃ وخمسین ولاتشیر والفتوی خلافہ. وعبارۃ شرحہ غرر الافکار : ولا تعقد یا فقیہ ثلاثۃ وخمسین کما عقدھا احمد موافقاً للشافعي في احد اقوالہ ونحن لانشیر عند التھلیل بالسبابۃ من الیمنی بل نبسط الاصابع، والفتویٰ أی المفتی بہ عندنا خلافہ أي خلاف عدم الاشارۃ وھو الاشارۃ علی کیفیۃ عقد ثلاثۃ وخمسین کما قال بہ الشافعي واحمد. وفي المحیط انھا سنۃ یرفعھا عند النفي ویضعھا عند الاثبات وھو قول أبي‌حنیفۃ ومحمد وکثرت بہ الآثار والاخبار فالعمل بہ اولی اھـ.فھو صریح في أن المفتی بہ ھو الاشارۃ بالمسبحۃ مع عقد الاصابع علی الکیفیۃ المذکورۃ لا مع بسطھا، فانہ لا اشارۃ مع البسط عندنا، ولذا قال في منیۃ المصلي : فان اشار یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطی بالابھام ویقیم السبابۃ. (ملخصاً رد المحتار ۱۹۲/۲)

جولوگ منتقی لابن جارود کی روایت (فرأیتہ یُحرِّکُھا یدعو ۔رقم الحدیث ۲۰۸) سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انگلی جب اٹھائے تو اسے حرکت دیتا رہے ۔ انھیں ابوداود شریف کی مذکورہ بالا روایت دیکھنی چاہیے جواس کے خلاف ہے،جس میں صراحۃً ہے کہ انگلی سے اشارہ کرتے اور اس کو حرکت نہ دیتے تھے (ولایحرکھا)۔

☆☆☆

صفحہ 15 کا بقیہ:جس کو کبھی عقل سے تعبیر کیا گیااور کبھی نور سے جیسا کہ امام شعرانی کی کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں ہے، بلکہ ایک سے زیادہ علمانے ذکر کیا کہ یہ تمام اسمانور شریف ہی کے مختلف نام ہیں۔(مواکب ربیع:ص ۳۷)

اس باب کی متعارض احادیث میں موافقت کے سلسلے میں بہت سارے اقوال ہیں اورسب کو سامنے رکھتے ہوے ملا معین کاشفی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ان کو بیان کیا ہے ان کی پیش کردہ وضاحتیں نقل کی جاتی ہیں۔

پہلی وضاحت

اکثر محدثین ومؤرخین نے یہ فرمایا ہے کہ سب سے پہلے پیدا کیا جانے والا حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ہے،روح وعقل کی اولیت اضافی ہے۔

دوسری وضاحت

یہ تمام احادیث مختلف حیثیات میں متعددناموں کے لیے بیان ہوئی ہیں، کسی حیثیت میں ایک چیز کے ساتھ کنایہ ہے تو دوسری میں دوسری چیز کے ساتھ کنایہ ہے،یعنی اس چیز کو جو اپنی تخلیق مبدا ومعاد کو ہی نہیں ، بلکہ تمام اشیا کی پہچان کرے،اس کو عقل کہتے ہیں اور وہ حیثیت جوخود بخود ظاہر وباہر اور مظہر خیر ہے اور ذات مقدس نبوی کی وجہ سے جوکمالات وفیضان عدم سے وجود میں آیا اس کو نور محمدی سے تعبیر کیا جاتا ہے،اوراس حیثیت سے جوحی بالذات ہے اور تمام موجودات کی حیات اس مستفاد ہے اس کو روح محمدی سے تعبیر کیا جاتا ہے اوراس جہت کو جس کی وجہ سے تمام عالم کے نقوش عالم مصنوعات میں مرتسم یالوح محفوظ میں ثبت نظر آتے ہیں ،اس کو قلم کہتے ہیں۔(ملخصا معارج النبوۃ: جلداول ص ۳۶۴)

خلاصۂ گفتگو یہ کہ سب سے پہلی مخلوق نور محمدی ہے۔اس کے علاوہ جن مخلوقات کے بارے میں اولیت کا ذکر ہوا،ان کی اولیت اضافی ہے۔ علاوہ ازیں یہ سب نور محمدی کے صفاتی نام ہیں یعنی قلم،عقل،روح،ماء وغیرہ ۔گویاشئ ایک ہی ہے، جسے کہیں عقل ،کہیں روح،کہیں قلم،کہیں پانی وغیرہ مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قسط اول

ایک مجلس میں تین طلاق ایک؟

قائلین کے دلائل کا علمی جائزہ

مفتی ازہار احمد امجدی ازہری ایم اے، شعبہ حدیث (جامعہ ازہر مصر)

ابھی حال ہی میں حکومت ہند نے بعض نا اہل لوگوں کی باتوں میں آ کر تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے کا مسئلہ اٹھایا اور اسے نافذ کرنے کی ناپاک کوشش کی، جس کی وجہ سے ہندوستان کے اکثر مسلمان تڑپ اٹھے، کیوں کہ یہ ایسی کوشش ہے جو قرآن پاک، صحیح احادیث اور مذہب جمہور بلکہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے۔ حکومت کی اس کوشش کی تائید میں غیر مقلد تو غیر مقلد اپنے کچھ پڑھے لکھے سنی لوگ بھی حکومت یا قول مہجور و مردود کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ علمی گفتگو کے بجائے بے ڈھنگا انداز اختیار کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں بعض احادیث کے ظاہری مفہوم کے سبب غلط فہمی ہوئی، کیوں کہ انہوں نے ان بعض احادیث کے متعلق جمہور علما و محدثین اور فقہا کے مضبوط و مدلل اقوال کو نظر انداز کر دیا، حالانکہ ایک مقلد کو اس طرح کا رخ اختیار کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ اس کے علاوہ اس کے متعلق مزید کچھ بے سر و پا گفتگو پڑھنے اور دیکھنے کو ملی، جس کی وجہ سے میں نے ایک عالم جلیل فقیہ و محدث، صوفی شیخ سلامہ قضاعی عزامی شافعی رحمہ اللہ (ت ۱۳۷۶ھ) کی کتاب ''البراهين الساطعة في رد بعض البدع الشائعة وبراهين الكتاب والسنة الناطقة على وقوع الطلقات المجموعة منجزة أو معلقة'' سے مخالفین کی دلائل کے جائزہ لینے والی بحث، جس کو میں جامعہ ازہر مصر میں دوران تعلیم ہی پڑھ چکا تھا، اس کا ترجمہ و تلخیص اور وضاحت و تخریج کر کے پیش کرنے کا ارادہ کیا، تاکہ منحرف فکر والے صحیح اور سیدھے راستے پر آ سکیں اور مخالفین کی دلیل قابل قبول ہے یا نہیں، وہ بھی سامنے آ جائے اور اکثریت بلکہ مذہب اجماع پر جن چار ضعیف اور منسوخ دلائل سے نکتہ چینی کی جاتی ہے، ان کے صحیح، پختہ اور مدلل جواب سے اکثر لوگ واقف ہو جائیں۔ میں نے اختصار کے پیش نظر حدیث کی عربی عبارت حذف کر دی ہے، کسی قاری کو ضرورت محسوس ہو؛ تو وہ راقم الحروف سے حاصل کر سکتے ہیں، تحریر حاضر خدمت ہے، **و ماتوفيقي الا بالله عليه توكلت و اليه أنيب.**

قارئین کرام آپ مخالفین کی طرف سے اپنے موقف پر پیش کی گئی چاروں دلائل کا یکے بعد دیگرے علمی جائزہ ملاحظہ فرمائیں:

پہلی حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی بعض روایت میں وارد ہے کہ آپ نے حیض کی حالت میں اپنی عورت کو تین طلاق دے دی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی عورت سے رجوع کا حکم دیا، یا یہ کہ تین طلاق کو تین طلاق نہیں سمجھا، یا یہ کہ ان تین طلاق کو رد کر کے ایک قرار دیا، یہ روایت صریح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تین طلاق ایک ہے، پوری حدیث ملاحظہ فرمائیں:

ابوالزبیر سے مروی، آپ کہتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی عورت کو حیض کی حالت میں تین طلاق دے دی تھی؛ تو راوی عمار دہنی نے کہا: کیا آپ ابن عمر کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی عورت کو میں نے حیض کی حالت میں تین طلاق دے دی؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنت یعنی ایک طلاق کی طرف پھیر دیا''۔ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس روایت کے سب راوی شیعہ ہیں، اور محفوظ وہ روایت ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی عورت کو حیض کی حالت میں صرف ایک طلاق دی''۔ (سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع و الایلاء وغیرہ، ج۵ص۱۳، رقم:۳۹۰۳)

علامہ سلامہ قضاعی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یقیناً اگر یہ روایت ثابت ہوتی؛ تو تین طلاق ایک ہی ہوتی، لیکن یہ روایت راوی کی غلطی کا نتیجہ اور باطل قول ہے، کیوں کہ جو روایت محفوظ ہے اس سے یہی ثابت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی عورت کو تین نہیں بلکہ صرف ایک ہی طلاق دی تھی، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی عورت سے رجوع کا حکم دیا تھا، اس کے متعلق ''صحیح مسلم'' کی روایت ملاحظہ فرمائیں، بات واضح ہوجائے گی:

ابن سیرین رحمہ اللہ سے مروی، کہتے ہیں: مجھ سے بیس سال تک کچھ لوگ بیان کرتے رہے جنہیں میں متہم نہیں سمجھتا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی عورت کو تین طلاق دیدی؛ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی عورت سے رجوع کا حکم دیا، انہیں میں متہم نہیں سمجھتا تھا اور حدیث کی وجہ بھی نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ میں ابوغلاب یونس بن جبیر باہلی جو حدیث میں مُثبت ہیں، ان سے ملا، تو انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے بیان کیا:

((انہوں نے اپنی عورت کو حیض کی حالت میں ایک طلاق دے دی؛ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی عورت سے رجوع کرنے کا حکم دیا)) (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا، رقم:۱۴۷۱)

علامہ سلامہ قضاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یونس بن جبیر رحمہ اللہ ثقہ، حافظ اور مامون تھے، انہوں نے ابن سیرین رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ہی طلاق دی تھی، اور اسی طرح ثقات واثبات نے روایت کیا ہے۔

نیز محدثین نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جانب سے اپنی عورت کو حیض کی حالت میں بھی دی گئی ایک طلاق کو لغو قرار دینے کے بجائے ایک طلاق شمار کیا۔ (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلک الطلاق، ج۷ص۴۱، رقم:۵۲۵۳)

مزید ''صحیح مسلم'' کی دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں۔ ''انہوں نے اپنی عورت کو حیض کی حالت میں ایک طلاق دے دی؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اپنی عورت سے رجوع کریں، پھر اسے روکے رہیں یہاں تک کہ پاک ہوجائے، پھر انہیں کے پاس دوبارہ حائضہ ہو، پھر اسے چھوڑے رہیں یہاں تک کہ حیض سے پاک ہوجائے، اب اگر اسے طلاق دینا چاہیں؛ تو اس سے جماع کرنے سے پہلے جب پاک ہوجائے، طلاق دے دیں، یہ طہر کی وہ عدت ہے جس میں اللہ تعالی نے عورت کو طلاق دینے کا حکم دیا''۔

ابن رمح رحمہ اللہ نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا ہے۔ ''اور جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ فرماتے: اگر آپ نے اپنی عورت کو

ایک یا دو طلاق دی؛ تو اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا اور اگر تم نے اپنی عورت کو تین طلاق دے دی؛ تو وہ تم پر حرام ہوگئی یہاں تک کہ وہ تمہارے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے شادی کر لے اور تم نے اپنی عورت کے طلاق کے معاملہ میں اپنے رب تعالی کی نافرمانی کی''۔ امام مسلم رحمہ اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: راوی لیث نے ایک طلاق کے ذکر کرنے میں بڑی عمدگی دکھائی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا، رقم: ۱۴۷۱) اسی کے مثل (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب: ﴿وبعولتهن احق بردهن﴾ ج۷ص۵۸، رقم: ۵۳۳۲) میں بھی ہے۔

لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں تین طلاق کی روایت ساقط الاعتبار ہے، اس سے جاہل و معاند ہی استدلال کرے گا، اور کیسے اس روایت سے استدلال کرنا ممکن ہے حالانکہ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عن نافع: ان ابن عمر أخبره أنه طلق امرأته و هي حائض تطليقة.....الحديث. ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں خبر دی کہ انہوں نے اپنی عورت حیض کی حالت میں ایک طلاق دے دی......حدیث۔

پھر فرماتے ہیں۔''اسی طرح صالح بن کیسان، موسی بن عقبہ، اسماعیل بن امیہ، لیث بن سعد، ابن ابی ذئب، ابن جریج، جابر اور اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ نے عن نافع عن ابن عمر روایت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے فرمایا۔''**أنه طلق امرأته تطليقة واحدة**'' (ترجمہ)''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی عورت کو ایک طلاق دی''۔ اور اسی طرح امام زہری، یونس بن جبیر، شعبی اور حسن نے عن سالم، عن ابیہ روایت کیا ہے۔ (سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والایلاء وغیرہ، رقم: ۳۹۰۴)

صحیح البخاری، صحیح مسلم اور امام دارقطنی کی مندرجہ بالا مرویات سے واضح ہوگیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی عورت کو حیض کی حالت میں تین نہیں بلکہ ایک ہی طلاق دی تھی۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی عورت سے رجوع کا حکم دیا تھا اور یہی روایت محفوظ اور قابل قبول ہے۔

دوسری حدیث:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی، آپ فرماتے ہیں: ابورکانہ عبد یزید نے ام رکانہ کو طلاق دیدی اور مزنیہ کی ایک عورت سے نکاح کرلیا، یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اپنے ایک بال کو ہاتھ میں لے کر عرض کیا: ابورکانہ مجھے کافی نہیں مگر اسی طرح جس طرح کی یہ بال میرے لیے کافی ہے، یعنی وہ عنین ہیں؛ تو اس عورت اور ابورکانہ کے درمیان تفریق کردی گئی؛ ان پر عنین کے اتہام کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیرت آئی، آپ ناراض ہوگئے، پھر رکانہ اور ان کے بھائیوں کو بلوایا اور اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا:

((کیا ان میں سے فلاں اس اس طرح عبد یزید رضی اللہ عنہ سے مشابہ نہیں اور ان میں سے فلاں اس اس طرح مشابہ نہیں؟!)) سب نے عرض کیا: جی ہاں مشابہ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد یزید رضی اللہ عنہ سے کہا: ((مزنیہ کی عورت کو طلاق دے دو)) تو آپ نے اسے طلاق دے دی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اپنی عورت رکانہ اور اس کے بھائیوں کی ماں سے رجوع کرلو)) ابورکانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اسے تین طلاق دے چکا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مجھے معلوم ہے، تم اس سے رجوع کرلو)) اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ترجمہ: ﴿**يا أيها النبي اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن**﴾ (الطلاق: ۶۵، آیت: ۱) ترجمہ: ((اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت پر انہیں طلاق دو)) (کنز الایمان) (سنن أبي داوٗد، باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث، ج۲ص۲۵۹، رقم: ۲۱۹۶)

یہ روایت مجہول اور منکر راوی پر مشتمل ہے؛ اس وجہ سے صحیح حدیث سے ثابت شدہ کہ تین طلاق تین طلاق ہی ہے کے مقابل میں یہ روایت قابل اعتماد نہیں اور اگر صحت تسلیم بھی کر لی جائے؛ تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ روایت منسوخ ہے، قارئین مندرجہ ذیل گفتگو ملاحظہ فرمائیں، دعوی خود ثابت ہو جائے گا:

صحابی رسول عبد یزید یہ ابن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف ہیں جو امام شافعی رحمہ اللہ کے جد امجد ہیں، اس حدیث کی سند میں ایک راوی بنو اُبی رافع مجہول ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نہیں جانتا وہ کون ہیں'' (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ/حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) بعض دوسرے لوگوں نے کہا: وہ محمد بن عبید اللہ بن اُبی رافع ہیں، ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کی توثیق کی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''منکر الحدیث'' ہیں۔ مزید حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو یہ قصہ جو حضرت ابو رکانہ رضی اللہ عنہ کو پیش آیا ان کے لڑکے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے علاوہ ہے، جو دونوں قصوں کے سیاق سے بالکل ظاہر ہے۔

محدث، فقیہ، صوفی، علامہ سلامہ قضاعی عزامی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: مناسب یہ ہے کہ اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ یہ قصہ تین طلاق کے بعد رجوع کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے، پھر تین طلاق کے بعد رجوع کرنا منسوخ ہو گیا، جیسا کہ ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سند صحیح کے ساتھ خود عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، آپ فرماتے ہیں:

((ان الرجل كان اذا طلق امرأته؛ فهو أحق برجعتها، و ان طلقها ثلاثا فنسخ ذلك)) وقال: ((الطلاق مرتان)) ترجمہ: ((مرد جب اپنی عورت کو طلاق دیدے؛ تو وہ اس سے رجعت کرنے کا زیادہ حقدار ہے اور اگر اس نے اسے تین طلاق دے دی؛ تو جو رجعت کی اجازت تھی وہ منسوخ ہو گئی)) اور فرمایا: ((طلاق دو مرتبہ ہے)) (سنن اُبی داؤد، باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث، ج۲ص۲۵۹، رقم: ۲۱۹۵) اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تین طلاق کے بارے میں طلاق مغلظہ کا حکم دیتے تھے، جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ مخالفین کی یہ روایت منسوخ ہے؛ تو اب یہ بات کسی عالم پر مخفی نہیں کہ منسوخ سے حجت پکڑنا کسی کے لیے روا نہیں؛ لہذا مخالفین کا اس روایت سے اپنے موقف پر استدلال کرنا درست نہیں۔

اس کے علاوہ کتاب 'الصحابۃ' میں امام بغوی رحمہ اللہ نے راوی زعفرانی کے طریق سے **عن الشافعی عن عمہ** گزری ہوئی سند کے ساتھ ایک روایت تخریج کی ہے، اس میں ہے: ((أن **عبد يزيد طلقها البتة**)) یعنی عبد بن یزید رحمہ اللہ اپنے لڑکے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی عورت کو طلاق بائن دی ہے، اور اس صورت میں بھی مخالفین کے لیے یہ حدیث حجت نہیں ہو سکتی؛ کیوں لفظ ((البتۃ)) ایک طلاق بائن اور تین طلاق دونوں کا احتمال رکھتا ہے، لیکن بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ راوی زعفرانی یا ان کے پہلے جو راوی ہیں ان سے اس حدیث کی روایت میں غلطی ہوئی ہے؛ کیوں کہ ثقات و اثبات راویوں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے ان کی اس سند کے ساتھ رکانہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت کیا ہے، ان کے والد ابو رکانہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت نہیں کیا ہے، جیسا کہ اس کا بیان گزرا جسے امام ابوداؤد اور امام دارقطنی نے روایت کی ہے۔

تیسری حدیث: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی، آپ فرماتے ہیں: رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہما نے اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دی؛ جس کی وجہ سے آپ کو حزن شدید لاحق ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

((تم نے اپنی عورت کو کس طرح طلاق دی؟)) انہوں نے عرض کیا: ایک ہی مجلس میں تین طلاق دے دی، نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: ((یہ تو ایک ہی طلاق ہے؛ لہٰذا اگر تم چاہو؛ تو اس سے رجوع کرلو)) تو انہوں نے اپنی عورت سے رجوع کرلیا۔ (مسند احمد، ج۴ص۲۱۵، رقم: ۲۳۸۷)

علامہ سلامہ شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تین طلاق کے بعد رجوع کا منسوخ ہونا علمائے کرام کے نزدیک پختہ دلائل سے اس طرح ثابت ہے، جس میں کسی طرح کے شک کی گنجائش نہیں؛ اسی وجہ سے علمائے عظام نے اس حدیث کے متعدد جوابات دئے ہیں جو حاضر خدمت ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

اس کا غیر مشکوک جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی روایت کرنے میں اس کے بعض راویوں سے غلطی واقع ہوئی ہے، ممکن ہے کہ یہ غلطی اس حدیث میں راوی ابن اسحاق سے ہوئی ہو، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی روایت کرنے میں عمدگی دکھائی اور اس کو صحیح طور پر روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ((البتۃ)) طلاق دی.....حدیث (الأم/ امام شافعی رحمہ اللہ، الخلاف فی الطلاق ثلاثا، ج۵ص۱۴۷)

اس حدیث کے راوی امام شافعی اور اس حدیث کی سند کے دوسرے رجال حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے گھر والے ہیں اور گھر والے دوسروں کی بہ نسبت گھر کی بات زیادہ جانتے ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ ''احکام القرآن'' میں لکھتے ہیں:

حافظ، امام، ابوعمر ابن عبد البر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رکانۃ عن عمہ والی حدیث جو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے وہ اتم ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے الفاظ حدیث میں کچھ اضافہ کیا ہے مگر وہ اصول کے خلاف نہیں؛ کیوں کہ اس زیادتی کے ناقلین ثقہ ہیں؛ اس لیے اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ امام شافعی، ان کے چچا اور ان کے دادا رضی اللہ عنہم حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے گھر والے بنی عبد المطلب بن عبد مناف سے ہیں، گھر والوں کو جو قصہ پیش آیا، وہ اس کے زیادہ جانکار ہیں''۔

اور رہی بات امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کی تو ان کے ثقہ ہونے کے باوجود ان سے غلطی واقع ہونا مستغرب نہیں؛ کیوں کہ خود ان سے اور ان کے علاوہ دوسرے علما سے اس طرح کی غلطی واقع ہوئی ہے، اس طرح کی غلطی کی پہچان ان راویوں سے ہوتی ہے جنہوں نے حدیث کو عمدگی کے ساتھ بغیر کسی غلطی کے روایت کی ہے جیسا کہ قارئین کرام نے ابھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حیض کی حالت میں اپنی عورت کو طلاق دینے والا واقعہ ملاحظہ کیا۔ اسی طرح امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے معاملہ میں بھی پیش آیا، لہٰذا اعلما و محدثین سے اس طرح کی غلطی واقع ہوجانا تعجب خیز بات نہیں، اس کے علاوہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے خود ابن اسحاق کے متعلق ''باب العلل'' میں فرمایا:

''بعض اہل حدیث نے سہیل بن ابی صالح، محمد بن اسحاق، حماد بن سلمہ، محمد بن عجلان اور ان کے مثل دوسرے ائمہ کرام کے بارے میں کلام کیا ہے، انہوں نے ان ائمہ کے بارے میں ان سے بعض احادیث کی روایت کرنے میں حافظہ کی کمی وجہ سے کلام کیا ہے''۔ مگر اس کی وجہ سے ابن اسحاق کا باب المغازی میں ثقہ ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا خبر رکانہ رضی اللہ عنہ میں صحیح وہی ہے جسے امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے، اس لیے اب ابن اسحاق کی روایت سے احتجاج ساقط ہوگیا۔

ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں غلطی داؤد بن حصین سے ہوئی ہو، خاص طور سے اس صورت میں جب کہ یہاں پر ان کی روایت حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ہے، چنانچہ حافظ کبیر، امام بخاری کے شیخ، علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ''جس حدیث کو داؤد بن حصین نے عکرمہ سے روایت کی ہے وہ حدیث منکر ہے، بلکہ شعبی اور سعید بن مسیّب کی روایت کردہ مرسل حدیث داؤد عن عکرمۃ عن ابن عباس سے زیادہ محبوب ہے''۔ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''داؤد بن حصین کی عکرمہ سے روایت مناکیر اور ان کی اپنے شیوخ سے روایت کردہ احادیث مستقیم ہیں''۔

اورامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا اس حدیث کوحسن قرار دینا صحیح نہیں، چہ جائے کہ صحیح قرار دینا درست ہو، کیوں کہ آپ خود عنقریب آنے والی طاؤس کی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ''یہ حدیث شاذ ومردود ہے'' نیز آپ نے زیر بحث حدیث کے مقتضیٰ پر عمل بھی نہیں کیا؛ کیوں کہ آپ کا مذہب بھی تمام ائمہ کرام رحمہم اللہ ہی کی طرح ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق تین ہی طلاق ہے۔ اس حدیث کی سند میں اس قدر کلام اور اس کے مرجوح ہونے کے باوجود امام ابویعلی رحمہ اللہ کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا قابل قبول نہیں۔

ائمہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرا جواب بھی دیا ہے جس سے زیر بحث ضعیف روایت اور امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت کردہ صحیح حدیث کے درمیان تنافی وتضاد ختم ہوجائے گا۔ امام ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ (م۵۴۳ھ) ''العارضۃ'' میں فرماتے ہیں:

''اصح یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی عورت کو ((البتۃ)) طلاق دی ہے، اور جس نے تین طلاق کا ذکر کیا ہے، انہوں نے اسے باعتبار معنیٰ روایت کیا ہے''۔ یہی جواب حافظ اجل، زکی منذری رحمہ اللہ (ت۶۵۶ھ) نے دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''اصح یہی ہے کہ انہوں نے ((البتۃ)) طلاق دی ہے اور تین طلاق کا ذکر کرنے والے باعتبار معنیٰ تین کا ذکر کردیا ہے''۔ اس کی وضاحت امام نووی رحمہ اللہ کا یہ قول کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''شاید اس روایت ضعیفہ کے روایت کرنے والے نے لفظ ((البتۃ)) سے یہ سمجھ لیا کہ یہ لفظ تین کا متقاضی ہے، جس کی وجہ سے اس نے حدیث کو اپنی سمجھ کے اعتبار سے معنی روایت کیا اور اس میں غلطی کی'' (شرح النووی علی مسلم، باب طلاق الثلاث، ج۱۰ص۷۱)

علامہ سلامہ شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: چونکہ ((البتۃ)) کے لفظ سے تین طلاق واقع کرنا شائع وضائع تھا، یہی راوی کے غلط روایت کرنے کا سبب بنا، اس وجہ سے بجائے اس کے کہ حدیث صحیح لفظ کے ساتھ روایت کریں کہ انہوں نے طلاق ((البتۃ)) دی تھی، غلطی کی اور لفظ ((البتۃ)) کی جگہ پر 'ثلاثا' یعنی تین کا ذکر کردیا، اور شیخ امام نووی رحمہ اللہ نے جو اس روایت ضعیفہ کے روایت کرنے والے کو غلط قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تین طلاق کسی طرح سے تین کے علاوہ کا احتمال نہیں رکھتی، اور ((البتۃ)) سے دی گئی طلاق، تین اور ایک طلاق دونوں کا احتمال رکھتی ہے؛ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کو قسم کھلائی کہ انہوں نے لفظ ((البتۃ)) سے ایک ہی طلاق مراد لی ہے، جب آپ نے قسم کھالی؛ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا، اور اس حدیث کا یہی جواب امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں دیا، جو آپ کا ان مخالفین کے استدلال کا تیسرا جواب ہے، اور فرمایا: ''اس روایت کا آل بیت رکانہ کی روایت سے معلول و ضعیف قرار دینا قوی تعلیل ہے، لہٰذا اس نکتہ کے پیش نظر زیر بحث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال موقوف ہوجائے گا''۔ (فتح الباری/ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، باب من جوز الطلاق الثلاث، ج۹ص۳۶۳)

علامہ سلامہ شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان دونوں جوابوں میں سے ایک جواب ہی کے ذریعہ ((البتۃ)) طلاق کی حدیث کا اضطراب ختم ہوجاتا ہے؛ تو دونوں جوابوں سے بدرجہ اولی اعتراض مندفع ہوجائے گا۔

قارئین کرام! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اضطراب اسی وقت متحقق ہوتا ہے جب دونوں روایتیں ایک درجہ کی ہوں اور دونوں کے درمیان جمع کرنا متعذر رہو، اور یہاں ایسا نہیں، جیسا کہ اب تک کی بحث سے الحمدللہ آپ پر واضح ہوچکا کہ نہ تو دونوں روایتیں برابر ہیں اور نہ ہی ان دونوں کے درمیان جمع کرنا متعذر، بلکہ دونوں روایتوں کے درمیان جمع کرنا ممکن ہے جیسا کہ اس کی وضاحت حفاظ کرام ابوبکر بن عربی، زکی الدین منذری، ابوزکریا محی الدین نووی اور شہاب الدین ابوالفضل بن حجر رحمہم اللہ نے فرمائی ہے، نیز

روایت ابن اسحاق ضعیف ہے؛ کیوں کہ یہ روایت **داؤد بن حصین عن عکرمۃ عن ابن عباس** پر مشتمل ہے، اس روایت کے بارے میں امام ابوداؤد اور محدثین کے امام علی بن مدینی رحمہما اللہ نے جو فرمایا وہ قارئین کو معلوم ہو چکا، انہیں کے بارے میں امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''گویا کہ اللہ تعالیٰ نے امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کو اسی مقصد کے لیے پیدا فرمایا'' اور وہ روایت جس میں ہے۔ ((حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی عورت کو ((البتۃ)) طلاق دی ہے...الحدیث)) اس حدیث کی روایت ابوعبداللہ شافعی رحمہ اللہ نے کی اور اس کی تصحیح بھی فرمائی؛ کیوں کہ آپ نے اپنی کتاب ''الأم'' میں دو جگہ اس حدیث کو بطور حجت ذکر کیا ہے۔ امام شافعی، اس سند کے تمام رجال اور حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ جن کا قصہ ہے، سب ایک ہی گھر کے ہیں؛ اس لیے کہ یہ سب عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف کی اولاد ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ گھر والوں کو جو قصہ پیش آیا، وہ اسے زیادہ بہتر جانتے ہیں، جیسا کہ میں امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے اس کی وضاحت نقل کر چکا ہوں۔

نیز تصحیح کے معاملہ میں کون ہے امام شافعی رحمہ اللہ کی طرح؟ یہی وہ امام ہیں جن کے بارے میں امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر اصحاب شافعی نے کسی دن کلام کیا ہے؛ تو امام شافعی رحمہ اللہ کی زبان سے ہی کلام کیا ہے'' اور حسن بن محمد زعفرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اصحاب حدیث سوئے ہوئے تھے، امام شافعی رحمہ اللہ نے انہیں بیدار کیا تو وہ بیدار ہو گئے''۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کسی شخص نے اپنے ہاتھ سے دوات اور قلم کو مس نہیں کیا مگر یہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا اس پر احسان ہے'' بہرکیف یہ قول اصحاب حدیث کے امام اور ان کا قول ہے جس کے ورع اور فضل کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بھی امام شافعی رحمہ اللہ کے طریق سے اس حدیث کی تصحیح فرمائی ہے، جیسا کہ آپ کے اس حدیث کے بارے سکوت اختیار کرنے سے اخذ کیا جائے گا؛ کیوں کہ آپ کا قاعدہ ہے کہ جس حدیث کی تضعیف سے آپ سکوت فرمائیں تو وہ آپ کے نزدیک صحیح ہے۔ اسی وجہ سے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے پورے جزم و یقین کے ساتھ فرمایا: ''امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یہ حدیث صحیح ہے''۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ کا یہ جزم بالکل بجا ہے، اور جب اس حدیث کو زبیر بن سعید کے طریق سے روایت کی؛ تو اسے ابن جریج کی حدیث پر ترجیح دی؛ لہٰذا ابن قیم کا یہ قول: ''ابوداؤد نے اس حدیث کی تصحیح نہیں فرمائی ہے'' ان کی شخصیت کو عیب دار بنانے والی غفلت ہے۔ اس طرح کا قول کرنے پر ان کے شیخ ابن تیمیہ کی رائے نے انہیں ابھارا ہے؛ کیوں کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کا قول: ''اور یہ اصح ہے'' ان کی اس سے مراد راوی زبیر کے طریق سے مروی حدیث ہے، اور جب امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صرف راوی زبیر کے طریق ہی سے روایت کی؛ تو آپ نے اس کی تصحیح میں توقف فرمایا اور اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا۔ اگر آپ اس حدیث کو ان ثقات سے روایت کرتے جن سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے ذریعہ اپنی سند سے روایت کی ہے تو آپ ان شاء اللہ ضرور اس حدیث کی صحت میں توقف نہ فرماتے۔

اس حدیث کی تصحیح ابن حبان اور امام حاکم رحمہما اللہ نے بھی فرمائی ہے؛ لہٰذا اب اس روایت جس کی شان واضح ہو چکی اور اس روایت کے درمیان جس کی روایت میں **داؤد عن عکرمۃ** ہیں، برابری کیسے ہو سکتی ہے؟ اس طرح سے اہل سنت و جماعت کی مستدل حدیث سے طعن ختم ہو گیا وللہ الحمد۔

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ مخالفین کی اپنے موقف پر پیش کی گئی یہ تیسری دلیل بھی ضعیف اور قابل حجت نہیں۔ لہٰذا مخالفین کا اپنے موقف پر اس سے استدلال کرنا اور مذہب جمہور پر طعن و تشنیع کرنا درست نہیں..........جاری۔

☆☆☆

قسط ہفتم

تعلیمی مسائل

طلبائے مدارس اور فاصلاتی تعلیمات

طارق انور مصباحی (کیرلا)

مدارس اسلامیہ کے نصاب ونظام سے متعلق ماہنامہ پیغام شریعت اکتوبر ۲۰۱۶ء کے تعلیمی مباحثہ میں دوقسم کی تجاویز ظہور پذیر ہوئیں۔ایک یہ کہ نصاب ونظام میں تجدید کاری ہو، نیز نصاب تعلیم میں علوم عصریہ کی شمولیت ہو۔دوسری تجویز یہ تھی کہ نصاب تعلیم میں تخفیف وتقلیل کی جائے اور طلبا کومستقل طور پرعلوم عصریہ کی تحصیل کے لیے موقع فراہم کیا جائے۔درحقیقت مشترکہ نصاب تعلیم رائج ونافذ ہوتواس میں بھی طلبہ کا فائدہ ہےاور اگر نصاب تعلیم میں تخفیف وتقلیل کر کے طلبا کوعلوم عصریہ کے حصول کی خاطر مہلت فراہم کی جائےتواس میں بھی طلبا کی بھلائی ہے۔الحاصل مدارس اسلامیہ کے طویل المیعاد نصاب تعلیم (Long Term Syllabus) کو مشترکہ نصاب تعلیم کی شکل دی جائے یعنی علوم اسلامیہ کے ساتھ علوم عصریہ بھی شامل نصاب کیے جائیں ۔ یوپی اے(UPA)حکومت کی قائم کردہ ''سچر کمیٹی'' (Sachar Committee) کی رپورٹ میں بھی یہی سفارش کی گئی ہے۔بصورت دیگر مدارس اسلامیہ کے لیےقلیل المیعاد نصاب تعلیم (Short Term Syllabus) تشکیل دی جائے ،تاکہ طلبابعدفراغت عصری تعلیمات حاصل کرسکیں۔بہتر ہوگا کہ بعض مدارس میں طویل المیعاد نصاب تعلیم جاری کیا جائے اور بعض میں قلیل المیعاد نصاب تعلیم رائج ہو،تاکہ طلبا اپنی پسند اور سہولت کے مطابق کسی ایک کواختیار کرسکیں۔

یہ ایک سچی حقیقت ہے کہ بہت سے ڈگری یافتگان نوکری کے انتظار میں اپنی عمریں گذار دیتے ہیں ،پھربھی انہیں ملازمت نہیں مل پاتی ،لیکن ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جتنے بھی ملازمت یافتگان ہیں ،وہ ڈگری یافتگان اور عصری تعلیماتی اسانید کے حاملین ہیں،حتّٰی کہ ملحق مدارس میں ملازمت کے لیےبھی مدرسہ بورڈ کی حکومتی سندوں کی ضرورت ہوتی ہے،مدارس اسلامیہ کی جاری کردہ سندیں ناقابل قبول ہوتی ہیں۔عصری تعلیماتی ڈگریاں حاصل کرکے''داشتہ بکار آید'' کےاصول پرعمل آوری ہو۔عمل کے لیےتدابیر اور ذہن سازی کریں،ترک عمل کے لیے حیلےاور دماغ سوزی نہ کی جائے۔

بعض کورسز اور ڈگریاں پیشہ ورانہ ہوتی ہیں،جوپروفیشنل ایجوکیشن(Professional Education) کےلقب سے متعارف ہیں مثلاً میڈیکل سائنس،کمپوٹر سائنس،ہیلتھ اور بزنس وغیرہ سے متعلق کورسز اور ڈگریاں۔بعض شعبوں میں ملازمت کی بھی ضرورت نہیں مثلاً ایک ڈاکٹر کوگورنمنٹ سروس کی ضرورت نہیں۔اسی طرح دیگر پیشہ ورانہ کورسز اورڈگریوں کی تحصیل کے درمیان ہی اہل ادارہ اپنے زیرتعلیم اسٹوڈنٹس کے لیےملازمت کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔اس کام کے لیےمستقل طور پرایک پلیس مینٹ آفیسر(Placement Officer)ہوتا ہے۔

جہاں تک طلبا کی استعداد وقابلیت کا سوال ہےتواہل مدارس اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ محنتی طلبا ہی صاحب استعداد ہوتے ہیں،ورنہ مشکل کتابیں جب ناقابل فہم یا دقت طلب ثابت

ہونے لگتی ہیں تو بہت سے طلبا ان کتابوں سے غفلت برتنا شروع کردیتے ہیں اور پھر یہ طلبہ محض امتحان پاس کرنے کے لیے کچھ نوشت وخواند کر لیتے ہیں اور فراغت ودستار بندی کے لیے مدارس میں وقت گذاری کرتے ہیں۔خوش طبعی کے ساتھ ہوشمند طلبا ہی محنت ومشقت برداشت کرتے ہیں ۔بہت سے طلبا ایک روشن مستقبل سے مایوسی کے سبب بھی بے اعتنائی اور لاپرواہی کے شکار ہوجاتے ہیں۔مادہ پرستی کے اس رنگین وخوشنما اوردلکش ودلفریب عہد میں نوعمر طلبا بھی زہد وقناعت کی نصیحتوں سے متاثر نہیں ہوتے۔بعض طلبا چندسالوں بعد مدارس کو''الوداع'' کہہ دیتے ہیں،ایسی صورت میں ان کی چار پانچ سالہ تعلیم بھی بے مقصد ہوکر رہ جاتی ہے۔خیال رہے کہ استعداد وقابلیت کا دارومدار طویل نصاب پرنہیں ہے، بلکہ (۱)عمدہ تعلیم (۲)طلبہ کی محنت (۳)ذہانت اور(۴)ذاتی مطالعہ پر ہے۔جوطلبا خود سے کتابیں حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ، وہ ثالثہ/ رابعہ تک اس قابل ہوجاتے ہیں کہ مشکل کتابیں ازخودحل کرلیں ،اسی طرح منطق وفلسفہ کی کتابیں بھی استعداد کو اجاگرکرنے میں معاون ہوتی ہیں۔طلبائے مدارس ذاتی مطالعہ(Self Study)کے طریقہ کارکوفروغ دیں۔

ملک ہند کے حالات حاضرہ کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ ایسے علمائے کرام ہوں جواعلیٰ درجہ کی اسلامی وفقہی تحقیقات کی اہلیت رکھتے ہوں ،تاکہ بوقت ضرورت وہ مشکل دینی وفقہی مسائل حل کرسکیں۔اسی طرح علمائے اسلام کی ایک جماعت ایسی ہو جومذہبی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیمات سے بھی مزین ہو،تاکہ یہ فضلائے مدارس قوم مسلم کی دینی رہنمائی کے ساتھ سماجی ،معاشی،تعلیمی اورسیاسی رہنمائی بھی کرسکیں۔چونکہ قوم مسلم ،علمائے دین کوہی اپنا اصل قائدورہنما تسلیم کرتی ہے ،اس لیے علمائے کرام کو ہرقسم کی رہنمائی کرنی ہوگی ۔عہدحاضر میں علمائے اسلام کے آئیڈیل رہنمااورقائداعظم مجددصدی چہاردہم ،امام اہل سنت اعلیٰحضرت امام احمدرضا قادری (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء)نے قوم مسلم کی ہرقسم کی رہنمائی فرمائی تھی۔خالص مذہبی موضوعات کے ساتھ سماجی،معاشی،تعلیمی اور سیاسی ودیگر موضوعات پران کی تصانیف وتالیفات،فتاوے اورتحریریں ہمیں پکار پکار کرکہہ رہی ہیں کہ رہنماؤں کوقوم مسلم کی ہرقسم کی رہنمائی سرانجام دینی ہے۔

امام اہل سنت کے تلامذہ میں صدرالافاضل مولانا سیدنعیم الدین مرادآبادی (۱۸۸۷ء-۱۹۴۸ء)اورمحدث اعظم ہندمولانا سیدمحمدمیاں اشرفی کچھوچھوی (۱۸۹۴ء-۱۹۶۱ء)اعلیٰ درجہ کے سیاستدانوں میں شمار کیے جاتے ہیں ۔عصر حاضر میں نہ صرف ملک ہند، بلکہ ساری دنیا میں قوم مسلم کےخلاف نوع بہ نوع سازشیں ہورہی ہیں۔علمائے اسلام کے اندردفاعی قوت پیدا کی جائے۔قومی رہنماؤں کامحض دینیات تک محدود رہناوقت کےفطری تقاضوں کےخلاف ہے۔آرایس ایس(RSS) نے ہرشعبہ میں اپنے ممبروں کوداخل کردیا ہے،ہندوستانی عدلیہ بھی اس سے پاک نہیں ، یہاں تک کہ ملک کا پرائم منسٹر بھی آرایس ایس کا پرچارک ہے۔میں نے سات سالہ مشترکہ نصاب تعلیم''جدیدنصاب تعلیم برائے مدارس اسلامیہ''(Modern Syllabus Of Islamic Schools *MSIS) کے نام سے ترتیب دیا ہے،تاکہ مساجدومدارس کے علاوہ دیگرشعبہ جات میں بھی علمائے کرام کی رسائی ہوسکے۔اللّٰھم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم بحرمة حبیبک الکریم علیه وعلیٰ آله الصلوٰة والتسلیم–آمین

جدید نصاب تعلیم برائے مدارس اسلامیہ (MSIS)

درجہ اول

امتحان اول:(۱)فارسی اول(۲)تسہیل المصادر(۳)مصباح التجوید(۴)انوارشریعت(۵)منہاج العربیہ اول۔

امتحان دوم:(۱)فارسی دوم(۲)فارسی قواعدوانشا(۳)ضیاء القرأت(۴)میزان الصرف(۵)منہاج العربیہ دوم۔

درجہ دوم

امتحان اول :(۱)نحومیر(۲)گلستاں(۳)منشعب(۴) کبریٰ

(۵) فیض الادب اول۔

امتحان دوم: (۱) فوائد مکیہ (۲) بوستاں (۳) پنج گنج (۴) مرقات (۵) فیض الادب دوم۔

درجہ سوم

امتحان اول: (۱) نورالایضاح (۲) ہدایۃ النحو (۳) مرقات (۴) علم الصیغہ (۵) عربی ادب وانشا۔

امتحان دوم: (۱) قدوری (۲) ہدایۃ النحو (۳) صول الشاشی (۴) فصول اکبری (۵) عربی ادب وانشا۔

درجہ چہارم

امتحان اول: (۱) شرح وقایہ اول (۲) کافیہ (۳) شرح تہذیب (۴) دروس البلاغہ (۵) عربی ادب وانشا۔

امتحان دوم: (۱) شرح وقایہ دوم (۲) تلخیص المفتاح (۳) قطبی، تصدیقات (۴) مشکوٰۃ المصابیح (۵) عربی ادب وانشا۔

درجہ پنجم

امتحان اول: (۱) تفسیر جلالین (۲) شرح عقائد (۳) ہدایۃ الحکمت (۴) نورالانوار (۵) عربی ادب وانشا۔

امتحان دوم: (۳) نخبۃ الفکر (۲) شرح عقائد (۳) ہدایۃ الحکمت (۴) نورالانوار (۵) عربی ادب وانشا۔

درجہ ششم

امتحان اول: (۱) جامع ترمذی (۲) حسامی (۳) ہدایہ اولین (۴) ملاحسن (۵) عربی ادب وانشا۔

امتحان دوم: (۱) تفسیر مدارک (۲) سراجی (۳) ہدایہ اولین (۴) مناظرہ رشیدیہ (۵) عربی ادب وانشا۔

درجہ ہفتم

امتحان اول: (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۴) ہدایہ اخیرین (۴) شرح ہدایۃ الحکمت (۵) عربی ادب وانشا۔

امتحان دوم: (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) ہدایہ اخیرین (۴) تفسیر بیضاوی (۵) عربی ادب وانشا۔

عصری مضامین کی ترتیب

درجہ اول: کلاس اول ودوم = **درجہ دوم:** کلاس چہارم وپنجم = **درجہ سوم:** کلاس ششم وہفتم = **درجہ چہارم:** کلاس ہشتم ونہم = **درجہ پنجم:** کلاس دہم = **درجہ ششم:** انٹرمیڈیٹ سال اول = **درجہ ہفتم:** انٹرمیڈیٹ سال دوم۔

(۱) درجہ اول کے ششماہی اول میں کلاس اول کی کتابیں اور ششماہی دوم میں کلاس دوم کی کتابیں پڑھائی جائیں، اسی طرح درجہ پنجم تک ہر ایک ششماہی امتحان میں ایک کلاس کے عصری مضامین مکمل کر دیے جائیں۔ درجہ اول تا درجہ چہارم اسکولی کتابوں کے منتخب ابواب (Selected Chapters) پڑھائے جائیں اور ایک سال میں دو کلاس کی کتابیں پڑھا دی جائیں۔ درجہ پنجم میں کلاس دہم کی کتابیں، درجہ ششم میں انٹرمیڈیٹ فرسٹ ایر کی کتابیں اور درجہ ہفتم میں انٹرمیڈیٹ سیکنڈ ایر کی کتابیں داخل نصاب ہوں۔

(۲) چند سالوں بعد صرف ان بچوں کا داخلہ لیا جائے جو اسکول میں پانچ کلاس پڑھ چکے ہوں اور درجہ اول میں کلاس ششم کی کتابیں اور پھر اسی طرح سلسلہ وار درجہ ہفتم تک انٹرمیڈیٹ سال دوم تک کی کتابیں شامل نصاب کی جائیں، اس طرح ہر درجہ میں صرف ایک کلاس کی کتابیں شامل نصاب ہوں گی۔

رہنما اصول وضوابط

(۱) نصاب تعلیم سات سالہ ہو۔ درجہ پنجم کی تکمیل پر ''سند عالمیت'' اور درجہ ہفتم کی تکمیل پر ''سند فضیلت'' دی جائے۔

(۲) درجہ پنجم میں طلبا کو میٹرک کا امتحان دلایا جائے اور درجہ ششم ودرجہ ہفتم میں انٹرمیڈیٹ کے امتحانات دلائے جائیں۔

(۳) نیا نصاب تعلیم درجہ اول سے شروع کیا جائے۔ پھر اسی طرح سلسلہ وار ہر سال ایک ایک کلاس کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ قدیم طلبا، قدیم نصاب کے مطابق تعلیم مکمل کرتے جائیں اور قدیم نصاب سے منسلک طلبا کی تکمیل تعلیم کے بعد پرانا نصاب کالعدم کر دیا جائے۔

(۴) ہر درجہ میں کل نو مضامین اور سات پریڈ ہوں۔ پانچ مضامین ''درس نظامی'' کے اور چار مضامین ''اسکول'' کے ہوں۔ (۱) انگلش (English) (۲) حساب (Mathematics) (۳) سوشل سائنس (Social

Science)(۴)سائنس(Science)

(۵)مذکورہ بالا چاراسکولی مضامین کے علاوہ کوئی اضافی مضمون یا متبادل مضمون داخل نصاب کرنا مفید ہو تو اسے شامل نصاب کردیا جائے۔

(۶)درس کے نظامی کے پانچوں مضامین کی تعلیم ہردن ہو،عصری مضامین میں سے چاروں مضامین کی تعلیم ہفتہ میں تین تین دن ہو۔اس طرح چارعصری مضامین کے لیے صرف دو پریڈ کی ضرورت ہوگی اور ہرکلاس میں کل سات پریڈ کی ضرورت ہوگی۔

(۷)اگردرس نظامی کی مزید کچھ کتابیں شامل درس کرنی ہوں تو بعض کتابیں ہفتہ میں تین روزہ کردی جائیں۔اعلیٰ تعلیم گاہوں میں ہرمضمون کا روزانہ درس نہیں ہوتا ہے۔

(۸)ہرکلاس میں دوپریڈ علوم عصریہ کے لیے ہیں،اس طرح سات کلاس میں کل 14/ پریڈ علوم عصریہ کے ہوں گے اوراس کے لیے دو یا تین ''ٹیچر'' کی ضرورت ہوگی۔

(۹)ہرکلاس میں علوم اسلامیہ کے پانچ پریڈ ہوں گے اورسات کلاس میں کل 35 /پریڈ ہوں گے۔اس کے لیے چھ یا سات استاذ کی ضرورت ہوگی۔

(۱۰)عصری مضامین کی کتابیں سی بی ایس ای(CBSE Central Board of Secondary Education * English)کے انگلش میڈیم (Medium) کی کتابیں ہوں یا میٹرک اورانٹرمیڈیٹ کے امتحانات جس بورڈ سے دلانا مقصود ہو،اس بورڈ کے انگلش میڈیم کی کتابیں داخل نصاب کی جائیں،کیونکہ مدارس اسلامیہ میں ہندوستان کی مختلف ریاستوں کے طلبا تعلیم حاصل کرتے ہیں،اس لئے انگلش میڈیم کی کتابیں ہی داخل نصاب کرنا زیادہ بہتر ہے، پھراس سے دوسرا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ طلبا کوانگلش زبان پربھی قدرت حاصل ہوجائے گی اورخوداعتادی بھی بحال ہوگی۔جب ملک ہندکا ہربچہ انگلش میڈیم کی کتابیں پڑھنے کا اہل ہے تو مدارس کے طلبا کیوں اس قابل نہیں ہوسکتے؟ہاں،معلمین محنتی ہوں، اساتذہ وطلبا کے لیے انتظامات اچھے ہوں۔

اسکولی امتحانات

(۱)طلبا کے لیے میٹرک اورانٹرمیڈیٹ کے امتحانات کا انتظام ادارہ کی جانب سے ہو،پھرپروفیشنل ایجوکیشن یا اعلیٰ تعلیم کے لیے معلومات فراہم کی جائیں۔

(۲) میٹرک اورانٹرمیڈیٹ کے امتحانات اوپن اسکول(Open School)کے ذریعہ دلائے جائیں تاکہ ادارہ میں حسب دستور کلاس جاری رہے یا پرائیویٹ اگزام(Private Exam)دلایا جائے۔

(۳)اگرکوئی اسکول وکالج مستقل حاضری کی شرط کے بغیر میٹرک اورانٹرمیڈیٹ کے ریگولراگزام کی اجازت دے تو یہ''اوپن اسکول'' کی بہ نسبت بہت بہتر ہوگا۔

(۴) میٹرک اورانٹرمیڈیٹ کے امتحانات کے لیے ادارہ میں داخل نصاب مضامین کے علاوہ دیگرامتحانی مضامین کی تیاری کا انتظام بھی ادارہ کی جانب سے ہو۔

(۵)گورنمنٹ سروس(Government sirvice) کے لیے 2 + 10(میٹرک اورانٹرمیڈیٹ)کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوتی ہے،اس لیے ڈائریکٹ گریجویشن نہ کریں۔پہلے نیشنل اوپن اسکول یا کسی دیگر بورڈ سے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے سرٹیفکیٹ حاصل کرلیں۔مدرسہ بورڈ کے امتحانات بھی جاری رکھیں۔

ادارہ کے امتحانات

(۱)ہرکلاس میں دوامتحان منعقد کئے جائیں(۱)ششماہی (۲)سالانہ۔ادارہ میں داخل نصاب علوم اسلامیہ وعلوم عصریہ میں سے ہرایک مضمون کا امتحان ہو۔

(۲)تمام درسی کتابوں کی مقدارتعلیم متعین ہو،اورمتعینہ مقدارتعلیم تک ششماہی وسالانہ امتحان ہو۔امتحان میں فیل ہونے والے طلبا کی ترقی روک دی جائے۔

(۳)صرف درجہ اول میں داخلہ لیا جائے۔درمیانی درجات میں داخلہ کی گنجائش مشکل ہے،اس لئے اس بات کا اعلان کردیا جائے۔

نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ
(NIOS)(دھلی)

''این آئی او ایس'' (National Institute of Open Schooling) کے ذریعہ میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات، فاصلاتی نظام تعلیم کے تحت منعقد ہوتے ہیں یعنی کسی اسکول یا کلاس میں حاضری شرط نہیں۔ نومبر ۱۹۸۹ء میں اس کا قیام عمل میں آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ دنیا کا سب سے بڑا تعلیمی نیٹ ورک بن گیا۔ اسے ''The Largest Open Schooling System in the world'' کہا جاتا ہے۔ اس نظام تعلیم میں میٹریکولیشن (Matriculation) کو سیکنڈری لیول (Secondary Level) اور انٹر میڈیٹ کورس (Intermediate Course) کو سینئر سیکنڈری لیول (Senior Secondary Level) کہا جاتا ہے۔ جنوبی ہند میں میٹریکولیشن کو ایس ایس ایل سی (Secondary School Leaving *SSLC Certificate) اور انٹرمیڈیٹ کورس کو پی یو سی (Pre University Course *PUC) کہا جاتا ہے۔

این آئی او ایس کی تعلیمی زبانیں (Mediums)

NIOS کے سیکنڈری لیول میں نو زبانیں ذریعہ تعلیم ہیں (۱) انگلش (۲) ہندی (۳) اردو (۴) مراٹھی (۵) اڑیا (۶) تیلگو (۷) گجراتی (۸) تمل (۹) ملیالم۔

سینئر سیکنڈری لیول میں چھ زبانیں ذریعہ تعلیم ہیں (۱) انگلش (۲) ہندی (۳) اڑیا (۴) بنگالی (۵) گجراتی (۶) اردو۔

ایڈمیشن فارم میں بارہواں خانہ ذریعہ تعلیم سے متعلق ہوتا ہے۔ امیدوار اپنی پسند کا میڈیم اختیار کرسکتا ہے۔ اس کی کتابیں اسی زبان میں فراہم کی جاتی ہیں۔

سیکنڈری لیول کے مضامین

سیکنڈری لیول کے مضامین دو گروپ میں منقسم ہوتے ہیں، امیدواران میں سے کسی بھی پانچ مضامین کا انتخاب کرسکتا ہے۔ گروپ A میں 17/ زبانیں ہیں، امیدواران میں سے ایک یا دو زبان کو اختیار کرسکتا ہے۔ گروپ A کے مضامین درج ذیل ہیں۔

1-Hindi 2-English 3-Urdu
4-Sanskrit 5-Bengali 6-Marathi
7-Telugu 8-Gujrati 9-Kannada
10-Punjabi 11-Assamese 12-Nepali
13-Malayalam 14-Odiya 15-Arabic
16-Persian 17-Tamil

گروپ B میں 11/مضامین ہیں۔ ان میں سے تین یا چار مضامین کا انتخاب کیاسکتا ہے۔ کل پانچ مضامین لازمی ہیں۔ گروپ بی کے مضامین درج ذیل ہیں۔

1-Mathematics 2-Science and Technology 3-Social Science
4-Economics 5-Business Studies
6-Home Science 7-Psycholoy 8-Indian Culture & Heritage 9-Accountancy
10-Painting 11-Data Entry Operations

نوٹ: امیدوار پانچ لازمی مضامین کے علاوہ دو اضافی مضمون دونوں گروپ میں سے کسی بھی گروپ سے منتخب کرسکتا ہے، تاکہ اگر اصل مضامین میں نمبر کم ہو تو یہ مضمون اس کے متبادل قرار دیا جائے اور کامیابی کی راہ آسان ہوجاسکے۔

سینئر سیکنڈری لیول کے مضامین

سینئر سیکنڈری لیول کے مضامین چھ گروپ میں منقسم ہیں۔ ان میں سے پانچ مضامین لازمی ہیں۔ گروپ A سے ایک یا دو زبان کو منتخب کرے، پھر باقی ماندہ مضامین باقی پانچ گروپ سے منتخب کرلے، لیکن ان پانچ گروپ میں سے ہر ایک سے صرف ایک ہی مضمون منتخب کیاسکتا ہے۔ پھر دو اضافی مضمون کسی بھی دو گروپ سے منتخب کرلے، لیکن سی، ڈی، ای اور ایف گروپ سے ایک ہی مضمون کا انتخاب کیاسکتا ہے۔ امیدواروں سے عرض ہے کہ اگر اپنا تعلیمی سفر مزید آگے بڑھانا ہو تو مستقبل میں جس نوعیت کی تعلیم کا ارادہ ہو، اسی کی مناسبت سے دونوں امتحانوں میں مضامین کا انتخاب کریں۔ سینئر سیکنڈری لیول کے مضامین چھ گروپ میں منقسم ہیں۔

گروپ Aکے مضامین

1-Hindi 2-English 3-Urdu
4-Sanskrit 5-Gujrati 6-Bengali 7-Tamil
8-Odiya 9-Punjabi

گروپ Bکے مضامین

1-Mathematics 2-Home Science
3-Psychology 4-Geography
5-Economics 6-Business Studies
7-Painting 8-Data Entry Operations

گروپCکے مضامین

9-Physics 10-History 11-Library and Information Science

گروپ Dکے مضامین

12-Chemistry 13-Political Science
14-Mass Communication

گروپEکے مضامین

15-Biology 16-Accountancy
17-Introduction to Law

گروپ Fکے مضامین

18-Computer Science
19-Sociology 20-Environmental Science

داخلہ اور امتحان

ایڈمیشن کے لیے چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے(۱)ٹی سی یا برتھ سرٹیفکیٹ(۲)اپنا اوراپنے والدین کا آئی ڈی پروف(۳)ایڈریس پروف(امیدوارجس ادارہ میں زیرتعلیم ہو،وہاں کا رہائشی تصدیق نامہ کافی ہوگا)(۵)پرسنل تفصیلات ۔امتحان فیس اوردیگراخراجات قریباً تین ہزار روپے ہے۔چونکہ اوپن اسکول کا امتحان ایک سال میں دوبار ہوتا ہے،اپریل/مئی اور اکتوبر/نومبر میں۔اس لیے داخلہ کا بھی دوٹائم ہے۔16/مارچ تا31/جولائی ،پھر 16/ستمبر تا 31/جنوری ۔لیٹ فیس کے ساتھ ہمیشہ آن لائن ایڈمیشن جاری رہتا ہے۔اپریل/مئی کے امتحان میں شرکت کے لیے 1/ دسمبر تا31/ دسمبر رجسٹریشن کرانا ہوگا اور اکتوبر/نومبر کے اگزام میں شرکت کے لیے 1/ جون تا30/ جون رجسٹریشن ہوتا ہے۔دونوں امتحان کے رجسٹریشن کے لیے مزیددس دنوں کاوقت لیٹ فیس کے ساتھ دیا جاتا ہے۔سیکنڈری کورس میں ایڈمیشن کے لیےکم ازکم 14/سال اور سینئر سیکنڈری کورس کے لیے 15/سال کی عمر شرط ہے۔اپنے قریبی اسٹڈی سنٹر سے تفصیلی معلومات حاصل کرلیں۔زیرتعلیم طلبہ ،مدارس کے قواعدوضوابط میں محدود ہوتے ہیں،لیکن نوفارغین سے مخلصانہ اپیل ہے کہ یہ دونوں سرٹیفکیٹ حاصل کرلیں۔دونوں امتحان پر پانچ/چھ ہزار خرچ آئے گا۔نوفارغین انگلش میڈیم/اردومیڈیم یا دیگر میڈیم کومنتخب کرسکتے ہیں۔سرٹیفکیٹ کی قدر وقیمت(Valuation)برابر ہوگی۔

سرٹیفکیٹ کا اعتبار

جس طرح دیگر بورڈس(Boards) کے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے سرٹیفکیٹ قابل اعتبار ہیں،اسی طرح نیشنل اوپن اسکول کے سرٹیفکیٹس بھی معتبر ہیں۔اعلیٰ تعلیمات،گورنمنٹ سروس اوردیگر تمام مقاصد کے لیےاس کی حیثیت حکومت ہند کے یہاں مسلم ہے۔این آئی اوایس کے پراسپیکٹس میں مرقوم ہے۔

1-As far as certificates issued by NIOS is concerned, these are accepted for higher education, Govt. jobs and all other purposes. Also, the certificate issued by NIOS are accepted by all the National/State Boards and all the Universities. (prospectus of NIOS 2016-17 p.5)

2-The certificates awarded by NIOS are recognised for higher education, Government jobs and for all other purposes.(prospectus of NIOS 2016-17 p.29)

اسٹڈی سنٹر و اگزام سنٹر

نیشنل اوپن اسکول کے اسٹڈی سنٹرز(Study centers)اوراگزام سنٹرز(Exam centers)ملک ہند کے تمام اضلاع اوراہم شہروں میں ہیں۔اپنے علاقائی اسٹڈی سنٹر اورنیشنل اوپن اسکول (NIOS)سے متعلق مزید معلومات کے لیے انٹرنیٹ سے نیشنل اوپن اسکول کا پراسپیکٹس (prospectus of NIOS 2016-17) ڈاؤن لوڈ کرلیں۔اسی طرح انٹرنیٹ سے اپنا علاقائی سنٹر معلوم کرکےکوآرڈی نیٹر(Co-ordinator)سے رابطہ فرمائیں۔

فاصلاتی تعلیمات کاآغازوفروغ

فاصلاتی تعلیم (Distance Education)کاباضابطہ آغاز انگلینڈکی یونیورسٹی آف لندن(University of London)سے سال ۱۸۲۸ء میں ہوا ۔ اس سال یونیورسٹی آف لندن نے بیرونی پروگرام (External Programme)شروع کیا۔یعنی جوطلبادیگر مقامات پررہتے ہوں،وہ اس بیرونی پروگرام میں شریک ہوکرتعلیمی ڈگریاں حاصل کرسکتے ہیں۔30/سال بعد ۱۸۵۸ء میں انگلینڈکی ملکہ وکٹوریہ(Queen Victoria)نے سرکاری طورپرفاصلاتی تعلیمات کے پروگرام کو منظوری دیااور یونیورسٹی آف لندن کوفاصلاتی تعلیم کی اولین یونیورسٹی قراردیا۔رفتہ رفتہ فاصلاتی تعلیم کادائرہ ساری دنیاکومحیط ہوگیا۔آج کل ہندوستان میں بھی 100/ سے زائد یونیورسٹی ،کالج اور اسکول ہیں ،جہاں یوجی سی Univesity Grants Commission) *UGC)کی منظوری سے فاصلاتی تعلیم کا نظم ہے۔مختلف یونیورسٹیوں میں مختلف زبانیں ذریعہ تعلیم ہیں۔

فاصلاتی تعلیمات کے میدان میں سب سے زیادہ شہرت اگنو(Indira Gandhi National Open University *IGNOU)کوحاصل ہوئی ۔ مانو(Maulana Azad National Urdu University *MANUU)میں اکثر کورس ،ڈگریاں،ڈپلومااورسرٹیفکیٹ پروگرام اردومیڈیم ہیں ، اس لیے اردوداں طبقہ کے درمیان اس کوزیادہ شہرت ملی ۔ اگنواور مانو کی بیچلرڈگری (Bachelor Degree)میں ایڈمیشن سے متعلق کچھ تفصیلات رقم کی جاتی ہے،تاکہ شائقین کے لیے آسانیاں فراہم ہوسکیں۔ماقبل میں نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ(National Institute of Open Schooling *NIOS)کی تفصیلات تحریرکی جاچکی ہیں۔

یونیورسٹی کی پہلی ڈگری بیچلر(Bachelor)کہلاتی ہے ۔اس کوانڈرگریجویشن (Under Graduatio)بھی کہا جاتا ہے۔یہ ڈگری عام طورپرتین سالہ ہوتی ہے۔اس کے بعدکی ڈگری یعنی دوسری ڈگری ماسٹر(Master)کہلاتی ہے۔اس کو پوسٹ گریجویشن(Post Graduatio)بھی کہا جاتا ہے۔یہ دوسالہ ڈگری ہے۔اس کے بعدڈاکٹریٹ(Doctorate)کی ڈگری ہے،جسے عرف عام میں پی ایچ ڈی کہاجاتا ہے۔یہ یونیورسٹی کی آخری ڈگری ہوتی ہے۔یہ دوحصوں میں منقسم ہوتی ہے۔اس کا پہلاحصہ ایم فل(M.Phil)کہلاتا ہے۔یہ دوسالہ ہوتا ہے۔اس کے بعدڈاکٹریٹ کامرحلہ آتاہے۔یہ مرحلہ تین سالہ ہوتا ہے۔اس طرح ڈاکٹریٹ کے لیے پانچ سال کی مدت درکارہوتی ہے۔

نیشنل اوپن اسکول یاکسی بھی بورڈ سے پہلے میٹرک اورانٹر میڈیٹ کرلیں،اس کے بعد گریجویشن میں شامل ہوں۔انڈرگریجویشن کے بعد پوسٹ گریجویشن نہ کریں، بلکہ بی ایڈ(B. Ed.)کرلیں۔حکومت کی جانب سے اسکولوں کے لیے ٹیچرس کی ویکینسی(vacancy)جاری ہوتی رہتی ہے۔بی ایڈ کے ڈگری ہولڈرس کا سیلکشن (Selection) کچھ آسانی کے ساتھ ہوتا ہے۔بی ایڈ کے بعدچاہیں توپوسٹ گریجویشن کرلیں۔اگر مالی وسعت ہوتو میٹرک یا انٹرمیڈیٹ کے بعد پیشہ ورانہ علوم(Professional Educations)سے منسلک ہونے کی کوشش کریں۔انڈین یونیورسٹیز میں زیرتعلیم فضلائے مدارس سے مخلصانہ التماس ہے کہ اپنی اپنی یونیورسٹی میں موجود پیشہ ورانہ علوم سے متعلق تفصیلی مضامین ہمیں ارسال فرمائیں،تاکہ قوم

اس سے مستفید ہوسکے۔

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی (IGNOU)(دھلی)

''اگنو'' (Indira Gandhi National Open University) ہندوستان میں فاصلاتی تعلیمات کی سب سے عظیم یونیورسٹی ہے۔سال ۱۹۸۵ء میں اس کا قیام عمل میں آیا۔پوسٹ گریجویشن کے اکثر شعبہ جات انگلش میڈیم ہیں اور بعض انگلش اور ہندی میڈیم ہیں اور بعض ہندی میڈیم ہیں۔ انڈر گریجویشن کے اکثر شعبہ جات انگلش و ہندی میڈیم ہیں،بعض صرف انگلش میڈیم ہیں۔

سال ۲۰۱۷ء میں ملک بھر میں اگنو کے 56 / علاقائی مراکز (Regional Centers) ہیں۔ماتحت علاقائی مراکز (Sub-Regional Centers) 4 / ہیں۔اسٹڈی سنٹرز اوراگزام سنٹرز بھی کثیر تعداد میں ہیں۔نظام فاصلاتی تعلیم (Distance Education System) کے تحت پوسٹ گریجویشن،انڈر گریجویشن، پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ پروگرام کا انتظام ہے۔فی الحال اگنو میں 227 /تعلیمی پروگراموں (Academic Programmes) کا نظم ہے۔

انڈر گریجویشن میں داخلہ

بی اے (Bachelor of Arts) اور بی کام (Bachelor of Commerce) امیں ایڈمیشن سے قبل ایک تعلیمی پروگرام میں شرکت کرنا ہوگا۔یہ پروگرام بی پی پی Bachelor,s Preparatory) Programme) کہلاتا ہے۔کامیابی کے بعد امیدوار داخلہ کا مجاز ہوگا۔بی پی پی کی فیس ایک ہزار ہے۔یہ پروگرام چھ ماہ کا ہے۔یہ کورس 9 / زبانوں میں دستیاب ہے۔(۱) انگلش (۲) ہندی (۳) اڑیا (۴) تمل (۵) بنگالی (٦) مراٹھی (۷) تیلگو (۸) ملیالم (۹) گجراتی۔بی اے اور بی کام میں داخلہ کی دوسری شکل یہ ہے کہ انٹرمیڈیٹ یا اس کے مماثل کوئی منظور شدہ سرٹیفکیٹ ہو،تب اس سرٹیفکیٹ کی بنیاد پر بلا امتحان، داخلہ ہوگا۔

بی ایس سی (Bachelor in Science) میں داخلہ کے لیے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے سرٹیفکیٹس سائنس کے مضامین کے ساتھ ہو، یا کوئی ایسا سرٹیفکیٹ ہو، جو اس کے مماثل ہو۔بی ایس سی کی فیس دس ہزار پانچ سو روپے (10,500) ہے۔ہر سال تین ہزار پانچ سو (35,00) ادا کرنا ہے۔بی اے اور بی کام کی کل فیس چھ ہزار روپے (6 , 0 0 0) ہے۔ہر سال دو ہزار ادا کرنا ہوگا۔انڈر گریجویشن کے مذکورہ بالا تینوں تعلیمی پروگرام، انگلش اور ہندی میڈیم ہیں۔مدت تین سال ہے۔انڈر گریجویشن میں ایڈمیشن کے لیے امیدوار کی عمر 18 / سال ہونا شرط ہے۔

مذکورہ بالا شعبہ جات کے علاوہ بیچلر (Bachelor) کے مزید چند شعبہ جات ہیں۔اس کی فیس، ایڈمیشن کے شرائط اور مدت مختلف ہے۔بعض انگلش میڈیم ہیں اور اکثر انگلش و ہندی میڈیم ہیں۔جو انگریزی زبان سے واقف ہو، اسے اگنو میں ایڈمیشن لینا چاہئے، تاکہ انگلش زبان میں مزید قوت پیدا ہوسکے۔

اگنو میں اردو زبان و ادب کے تعلیمی پروگرام

اگنو میں اردو زبان و ادب کے لیے درج ذیل دو مستقل تعلیمی پروگرام کا نظم ہے، یہ دونوں پروگرام اردو میڈیم ہیں۔بی اے (B A) میں بھی اردو زبان اختیاری مضمون کے طور پر ہے۔

(1) ڈپلوما ان اردو لنگویج (Diploma Programme in Urdu Language *DUL) (مدت:ایک سال ،فیس: پندرہ سو روپے (15,00) شرط داخلہ: جو اردو مضمون کے ساتھ میٹرک پاس کیا ہو، یا اس کے مساوی سرٹیفکیٹ رکھتا ہو، یا اگنو سے سرٹیفکیٹ پروگرام ان اردو لنگویج پاس کیا ہو۔)

(2) سرٹیفکیٹ پروگرام ان اردو لنگویج (Certificate in Urdu Language *CUL) (مدت: چھ ماہ، فیس: ایک ہزار روپے (1,000) شرط داخلہ: جو بھی اردو زبان سیکھنے کی خواہش رکھتا ہو، وہ داخلہ لے سکتا ہے۔عمر 18 / سال ہونا شرط ہے۔یہ پروگرام اردو میڈیم اور ہندی و اردو مخلوط میڈیم ہے)

اپنے علاقائی اسٹڈی سنٹر اور اگنو (IGNOU) کے تعلیماتی

پروگراموں (Academic Programmes) سے متعلق مزید معلومات کے لیے انٹرنیٹ سے اگنو کا پراسپیکٹس (prospectus of IGNOU 2016-17) ڈاؤن لوڈ کرلیں۔اسی طرح انٹرنیٹ سے اپنا علاقائی سنٹر معلوم کرکے کوآرڈی نیٹر (Co-ordinator) سے رابطہ فرمائیں۔

مولانا آزادنیشنل اردو یونیورسٹی
(MANUU)(حیدر آباد)

''مانو''(Maulana Azad National Urdu University) میں بھی فاصلاتی تعلیمات کا بہت عمدہ نظم ہے۔سال ۱۹۹۸ء میں مانو کا قیام ہوا۔ اکثر تعلیمی پروگرام، اردومیڈیم ہیں۔سال ۲۰۱۷ء میں ہندوستان بھر میں مانو کے 9/علاقائی مراکز(Regional Centers)اور 3/ماتحت علاقائی مراکز (Sub-Regional Centers) ہیں اور ملک بھر میں ڈیڑھ سو سے زائد اسٹڈی سنٹرز وا گزام سنٹرز ہیں۔

انڈر گریجویشن میں داخلہ

بی اے،بی کام اور بی ایس سی(B.A., B. Com & B. Sc.) میں ایڈمیشن سے قبل انٹرنس اگزام(Entrance exam) میں شرکت کرنا ہوگا۔اسے اہلیتی امتحان (Eligibility Test) کہاجاتا ہے۔ امتحان کے سوالات آسان ہوتے ہیں۔سوالات عموماً اردو زبان وادب،انگلش لنگویج اور جنرل نالج سے متعلق ہوا کرتے ہیں۔انٹرنس اگزام میں کامیابی کے بعد بی اے ،بی کام اور بی ایس سی میں داخلہ ہوگا۔دوسری صورت یہ ہے کہ امیدوار کے پاس کوئی ایسا سرٹیفکیٹ ہو،جو انٹرمیڈیٹ کے مماثل ہو۔بہت سے مدارس اسلامیہ کی سندفضیلت وعالمیت کو مانو نے تسلیم کیا ہے۔تسلیم شدہ سندیں(Recognised certificates) بھی ڈگری پروگرام میں ایڈمیشن کے لیے کارآمد ہیں۔

اگر دارالعلوم کی سند انٹرمیڈیٹ کے مماثل تسلیم کی گئی ہے تو انٹرنس اگزام کے بغیر اس سند کے ذریعہ بیچلر ڈگری میں داخلہ ہوگا اور اگر یہ سند انڈر گریجویشن کے مساوی تسلیم کی گئی ہے تو اس کے ذریعہ ماسٹر ڈگری میں ایڈمیشن ہوگا۔جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی سندفضیلت اور اترپردیش مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی سندفاضل اور بہاراسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی سندعالم اور مغربی بنگال مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی سندفضیلت کو بیچلر ڈگری کے مساوی (Equal)تسلیم کیا گیا ہے۔ان سندوں کے ذریعہ مانو(MANUU) کے پوسٹ گریجویشن میں داخلہ ہوگا۔جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی سندفضیلت،اترپردیش مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی سندعالمیت اور بہاراسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی سند مولوی،مغربی بنگال مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی سندفضیلت،جامعہ سعدیہ عربیہ کاسرگوڈ کیرلا کی سند مولوی فضیلت کو انٹرمیڈیٹ کے مماثل تسلیم کیا گیا ہے۔ان سندوں کے ذریعہ انٹرنس اگزام کے بغیر،مانو کی بیچلر ڈگری میں ایڈمیشن ہوگا۔

ایڈمیشن کے لیے امیدوار کی عمرکم ازکم 18/سال ہونالازم ہے۔اپنے علاقائی اسٹڈی سنٹر اور مانو(MANUU) کے تعلیماتی پروگراموں (Academic Programmes) سے متعلق مزید معلومات کے لیےانٹرنیٹ سےاگنو کا پراسپیکٹس (prospectus of MANUU 2016-17) ڈاؤن لوڈ کرلیں۔اسی طرح انٹرنیٹ سے اپنا علاقائی سنٹر معلوم کرکے کوآرڈی نیٹر (Co-ordinator) سے رابطہ فرمائیں۔

تعلیمی مسائل کے قسط وار مضامین اب طلبائے مدارس کے لیے خاص نہیں ، بلکہ اب تعلیمی مضامین کے مندرجات ومشمولات قوم مسلم کے لیے بھی فائدہ بخش اور بصیرت افروز ہیں ۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ قسطوں میں پیشہ ورانہ علوم (Professional Educations) سے متعلق معلومات بھی فراہم کی جائے گی۔ ماہنامہ'' پیغام شریعت'' محض ایک میگزین نہیں، بلکہ مذہبی ، ملی اورقومی مسائل وضروریات کے حل کے لیے ایک قلمی تحریک ہے۔ان شاءاللہ تعالیٰ ثم ان شاءالرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے ذریعہ قوم مسلم کی ہمہ جہت رہنمائی کی کوشش ہوگی ۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

☆☆☆

کیرلا کا ایک روشن ستارہ

مفتی اشفاق احمد مصباحی
(صدر شعبہ اردو جامعہ سعدیہ عربیہ کاسرگوڈ، کیرلا)

رہبر شریعت وطریقت، مخزن علم وحکمت، عابد شب زندہ دار ،تہجد گذار، نماز اشرق وچاشت واوابین سے سرشار، سنن ومستحبات کے پاسدار، مسلک اعلیٰحضرت کے سچے جاں نثار، صاحب تصانیف کثیرہ، بانی جامعہ سعدیہ فضیلۃ الشیخ نور العلما حضرت علامہ مولانا عبدالقادر قادری قدس سرہ العزیز ریاست کیرلا کی ایک ایسی ہمہ جہت شخصیت کا نام ہے، جن کی علمی، فکری اور ملی کارناموں کی چمک دمک سے کیرلا کی گلی گلی روشن وتابناک نظر آتی ہے۔

ولادت باسعادت: یکم جولائی ۱۹۲۴ء کو ضلع کاسرگوڈ (کیرلا) کے موضع تریکیری پور میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے والدگرامی الحاج عبداللہ مرحوم نے آپ کا نام عبدالقادر رکھا۔ گھر تقویٰ وطہارت کا چمن پر بہار اور عقائد ومعمولات اہل سنت سے خلدزار بنا ہوا تھا، اس لیے صغرسنی سے ہی حضرت نور العلما اوصاف حمیدہ وخصائل جمیلہ اور معمولات وعقائد اہل سنت سے آراستہ رہے، اور آپ کی پرکشش اور احکام شرعیہ پر عمل پیرا شخصیت کیرلا کے سنی مسلمانوں کے لیے آئیڈیل اور نمونہ بن گئی۔

تعلیم وتربیت: کیرلا کی یہ پرانی ریت رہی ہے کہ بچوں کو دینی وعصری دونوں طرح کی تعلیم سے مزین کیا جاتا ہے، تاکہ دین کے ساتھ دنیاوی ترقی کا حصول بھی آسان ہوجائے۔ خواہ وہ کسی امیر گھرانے کا چشم وچراغ ہو، یا غریب گھرانے کا، ہر دونوع کی بنیادی تعلیم ضرور دلائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے آج ہندوستان میں سب سے زیادہ شرح خواندگی کیرلا میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ کے والدگرامی نے ابتدائی دینی تعلیم کے لیے آپ کو حاجی عبدالقادر صاحب مرحوم اور حضرت شیخ احمد مسلیار جیسے نابغہ روزگار اور یکتائے زمانہ شخصیات کے سپرد کردیا۔ ابتدائی تعلیم کی تحصیل کے بعد آپ کو پرائمری اسکول میں داخل کیا گیا۔ آپ پانچ سال تک وہاں دنیاوی تعلیم کی تحصیل میں مصروف رہے۔ چونکہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ کو آپ سے دینی خدمات لینی تھی، اس لیے آپ کا میلان طبع دینی تعلیم کی طرف ہوا۔ حدیث نبوی میں آیا ہے ﴿تفقھوا قبل ان تسودوا﴾ یعنی قیادت وسرداری سے پہلے علم حاصل کرو۔ جب آدمی زیور علم سے آراستہ ہوجاتا ہے تو اس کی قیادت وسیادت عوام کے ساتھ سلاطین وقت پر بھی قائم ہوجاتی ہے۔ جیسا کے شاعر کا قول ہے۔

ان الملوک لیحکمون علی الوریٰ وعلی
الملوک لتحکم العلماء

چونکہ علم فقہ دیگر علوم کے لیے وسیلہ ہے، اس لیے آپ نے اس جانب زیادہ توجہ مبذول فرمائی۔ شاعر نے کہا۔

وخیر علوم علم الفقہ لانہ
یکون الی کل العلوم توسلا
فان فقیھا واحدا متورعا
علیٰ الف ذی زھد تفضل واعتلا

تدریسی خدمات: آپ کی استعداد وقابلیت کو دیکھ کر آپ کے اساتذۂ کرام نے آپ کو درس وتدریس سے منسلک ہونے کا حکم فرمایا، چنانچہ آپ نے بعد فراغت اٹھارہ سال کی عمر سے ہی تدریسی خدمات کا آغاز فرمادیا۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کو متعدد اسلامی مدارس کا ٹرسٹی منتخب کیا گیا۔ اس ذمہ داری کو آپ بیس سال تک خوش اسلوبی کے ساتھ نبھاتے رہے۔ پھر پانچ سال تک قوت الاسلام عربک کالج میں بحر علم وفن کی گہرائی میں غوطہ لگا لگا کر طلبہ کو علم وفن کے

موتیوں سے آراستہ فرماتے رہے۔آپ نے سیکڑوں کی تعداد میں تشنگان علوم وفنون کوعلم کے چشمہ جاری سے شاد کام فرمایا۔

ابھی تک آپ کی شہرت ایک بلند پایہ استاذ اور ماہر مدرس کی حیثیت سے تھی۔آپ کی شخصیت جوایک اکیڈمی اور انجمن کی حیثیت رکھتی تھی ،ابھی لوگوں کے سامنے اجاگر نہ ہوسکی تھی۔حاجی عبدالقادر کلاٹرامرحوم نے سعدآباد ضلع کاسرگوڈ میں ایک دینی مکتب کی بنیاد رکھی تھی۔حاجی مرحوم اس کی تعمیر وترقی کے لیے ایک متحرک وفعال عالم دین کی تلاش میں تھے۔حاجی صاحب کی ملاقات حضرت شیخ نورالعلما سے ہوئی۔حاجی عبدالقادر کلاٹرامرحوم بیدار مغز اور نبض شناش تھے،وہ آپ سے بیحد متأثر ہوئے اور خواہش ظاہر کی کہ آپ ہمارے عربی مکتب کی ذمہ داری قبول فرمالیں۔حضرت شیخ نورالعلمانے حاجی صاحب کے خلوص ومحبت کوقبولیت بخشی اور ادارہ کی نظامت قبول فرمالی۔دیکھتے ہی دیکھتے یہ چھوٹا سا مکتب بام عروج تک پہنچ گیا۔مکتب سے مدرسہ ،مدرسہ سے جامعہ کی شکل اختیار کرلیا۔آج جامعہ سعدیہ عربیہ ہندوبیرون ہند میں ایک اعلیٰ تعلیم گاہ کی حیثیت سے متعارف ومشہور ہے۔ہرسال یوپی ،بہار،بنگال ،جھارکھنڈ،کشمیر،راجستھان ،ممبئی،گجرات، کرناٹک ، دہلی ،ہریانہ ،لکشدیپ اور ہندوستان کی دیگر ریاستوں سے تشنگان علوم وفنون دیوانہ وار اس چشمہ سیال سے سرشار ہونے کے لیے مسلسل جادہ پیمائی وصحرانوردی کررہے ہیں اور دینی وعصری علوم سے مرصع ہوکر قوم وملت کے لیے باعث فخر بن کر جاتے ہیں۔

جامعہ سعدیہ عربیہ

جامعہ سعدیہ عربیہ کوشیخ نورالعلمانے اپنی بےلوث اور انتھک کوششوں سے اس مقام تک پہونچا دیا کہ وقت کی عظیم اور عبقری شخصیات بھی علم وفن کے اس چمنستان کو دیکھ کر کافی متأثر ہوتی ہیں اور ان کے دل سے بھی ادارہ واہل ادارہ کے حق میں دعائیں نکلتی ہیں۔چنانچہ تاجدار شریعت وطریقت ،شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری حفظہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے خامہ زرنگار سے ایک مختصر اور جامع تأثر ان الفاظ میں سپرد قرطاس فرمایا۔

’’جامعہ سعدیہ عربیہ جو کیرلا میں اہل سنت وجماعت کا ایک اہم مرکزی ادارہ ہے۔یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ اس کے مہتمم شیخ عبدالقادر عبداللہ القادری صاحب نے شعبہ اردو بھی قائم کردیا ہے،جس کی وجہ سے اس ادارہ کا فیض عام ہوجائے گا۔جنوبی ہند میں مسلک اعلیٰ حضرت کا عظیم الشان مرکز ہے۔جومسلمانوں کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے‘‘۔

بحمدہ تعالیٰ جامعہ سعدیہ عربیہ دینی وعصری تعلیم کا گہوارہ ہے۔جوفی الوقت ۳۰/ سے بھی زائد شعبوں پر مشتمل ہے۔کوئی پانچ ہزار طلبہ تقریباً پانچ سو اسٹاف کی نگرانی میں رہ کر محوتعلیم ہیں۔جامعہ ازہر مصر،مسلم یونیورسٹی علی گڑھ،ہمدرد یونیورسٹی دہلی سے جامعہ سعدیہ کا معادلہ ہوچکا ہے۔مولانا آزاد یونیورسٹی حیدرآباد اور متعدد مرکزی وریاستی یونیورسٹیوں کے اسٹڈی سنٹر بھی یہاں قائم ہیں۔جس کے ذریعہ درس نظامی کے طلبہ بھی عصری تعلیماتی ڈگریوں سے منسلک ہوجاتے ہیں۔جامعہ سعدیہ کا یومیہ خرچ ڈیڑھ لاکھ روپے ہے۔یہ ساری رقم مخیرّان قوم وملت کے ذریعہ ادارہ کوفراہم ہوتی ہے۔

تعمیر مسلک ومذہب:ملت اسلامیہ کوافتراق وانتشار سے بچانے اور اہل سنت وجماعت کوایک مضبوط کڑی میں جوڑنے کے لیے شیخ نورالعلمانے جوقربانی پیش کی ہے،اس کی نظیر دور دور تک نظر نہیں آتی۔چنانچہ آپ نے آج سے پچاس سال قبل علمائے کرام کی باہمی مشاورت سے ایس وائی ایس(SYS) نامی تنظیم کی بنیاد رکھی،جس سے سنیت کو بہت فروغ ملا۔پھر چندسالوں بعد’’ودیا بھیاسا بورڈ‘‘ کی بنیاد رکھی،جس سے علوم اسلامیہ کی قابل قدرنشرواشاعت ہوئی۔اس کے بعد تاج العلما سید عبدالرحمٰن البخاری اور قمرالعلما شیخ ابوبکر احمد مسلیار بانی مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ کی معاونت نے ان تنظیموں کو اس حد تک فروغ دیا کہ پورے کیرلا میں اس کے تحت مساجد ومدارس کی تعمیر کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری ہوگیا۔کہا جاتا ہے کہ کیرلا سے زیادہ مساجد ومدارس ہندوستان کی کسی ریاست میں نہیں۔اس وقت بورڈ کے ماتحت دس

ہزار مساجد و مدارس ہیں۔ایس وائی ایس کے ممبران کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زائد ہے۔کیرلا کے سنی طلبہ کی مشہور تنظیم ایس ایس ایف (SSF) اور بچوں کی تنظیم ایس بی ایس (SBS) کی بنیاد میں بھی شیخ نورالعلما کا اہم کردار رہا ہے۔آپ کے ان کارہائے نمایاں کو دیکھ کر کیرلا کے علمائے کرام نے گیارہ سال قبل آپ کو ''نورالعلما'' کے لقب سے نوازا،اور آپ کے اعزاز میں بہت سے جلسے و محفل منعقد ہوئیں۔ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

تصنیف وتالیف:حضرت شیخ نورالعلما ایک رواں دواں قلم کے مالک تھے۔آپ کی تحقیق وتدقیق کا ایک زمانہ قائل ہے۔سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ کی تحریر وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق ہوا کرتی تھی۔کثرت کار،ہجوم افکار اور مسلسل اسفار کے باوجود بھی آپ کے زہرہ نگار قلم سے سیکڑوں مضامین ومقالات کے علاوہ ملیالم وعربی میں پچاس سے زائد کتابیں تصنیف ہوئیں۔ان میں بعض کتابیں اتنی مقبول ہوئیں کہ کئی ایڈیشن منظر عام پر آئے،مثلاً ملیالم زبان میں (۱)مسلمان اور قوانین شریعت(۲)اسلام سوشلزم اور کمیونزم (۳)اسلامی عقیدہ(۴)عصمت انبیا اور (۵) تاریخ رحمۃ للعالمین اتنی مقبول ہوئیں کہ آج کیرلا کے گھر گھر میں پڑھی جاتی ہیں۔شیخ نورالعلما کی تصانیف کی ایک نا تمام فہرست درج ذیل ہے۔

عربی تصانیف:(۱)کشف الشبهة عن الجماعة التبليغية (مطبوعہ مکتبہ حسین حلمی مرحوم استنبول ترکی)(۲)ابوالاعلیٰ المودودی وحركاته (۳)مختصر مناقب الاقطاب الخمسه (۴)الاجتهاد والتقليد وتطوراته(۵)مقدمة علم التصوف(۶)کشف النقاب عن مخدرات شرح شكوى الكئيب لحضرة الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (۷) مناقب بعض المختارین من اولياء الصحابه(۸)صفوة الاولیاء من خیار التابعين الاصفياء(۹)مناقب المنتخبين من اتباع التابعین۔

ملیالم وکنڑ زبان میں تصانیف:(۱۰)الکتاب الاول فی تاریخ الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (۱۱)تكفين وتجهيز لميت(۱۲)رحمة للعالمين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (۱۳)ابطال المؤنة(۱۴)معارضة للمودودين(۱۵)الاذكار بنيل المراد بالاذكار(۱۶)يوم عيدالاضحیٰ (۱۷)المسلمون وشرائع الاسلام(۱۸)ماهي الجماعة التبليغيه ؟ (۱۹) العقائد الاسلاميه(۲۰)الافكار الاسلاميه(۲۱)من المبتدعون؟ (۲۲) ردعلى الجماعة الاسلاميه(۲۳)تاريخ جمعية العلماء لعموم کیرلا (۲۴)الصحابه(۲۵) يوم المسلم (۲۶) الاولياء والكرامات (۲۷) مجموعة الموضاعات المنشورة فی الجرائد،الجزء الاول (۲۸) مجموعة الموضاعات المنشورة فی الجرائد،الجزء الثانی۔

شعروشاعری:آپ اپنے وقت کے بہترین شاعر گذرے ہیں۔قلم اٹھ جاتا تو اشعار کے انبار لگ جاتے۔آپ کی شاعری خالص مذہبی اور عربی زبان میں ہوتی۔کئی ہزار اشعار معرض وجود میں آئے۔راقم الحروف کے پاس بھی شیخ نورالعلما کے عربی اشعار کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔بہت سے اشعار ہندوعرب کے عربی رسائل میں شائع ہوکر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔شیخ نورالعلما کے منتشر اشعار وابیات کو اگر جمع کر دیا جائے تو ایک دیوان تیار ہوجائے گا۔حضرت سید صباح الدین الخیر الرفاعی بغدادی کی جامعہ سعدیہ تشریف آوری پر آپ نے تہنیت کے اٹھارہ اشعار عربی زبان میں تحریر فرمائے۔حضرت علامہ سید علوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال پر آپ نے چونتیس اشعار پر مشتمل ایک منقبت تحریر فرمائی،جو عرب ممالک میں کافی مقبول ہوئی۔چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

قضاء الله يجرى فى الانام
وليس له مرد بالزمان
يموت وينقضى الاحياء جل
وكل هالكون من الانام
ولكن فوت بعض القو مثلمة
اذا ذو العلم مات من الكرام
ومن هذا القبيل فقيد عصره
وعلم بارز نسل العظام

آہ!علم وفضل کا یہ آفتاب نیمروز ۲۹/ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۷/فروری ۲۰۱۵ء کو ہمیشہ کے لیے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بہجۃ الاسرار شریف کی عدالت وثقاہت
اعلیٰ حضرت کی نظر میں

مولانا حسان المصطفےٰ امجدی

بہجۃ الاسرار شریف حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال وکمالات،فضائل ومناقب اور سیرت مبارکہ پر مشتمل سب سے معتبر ومستند کتاب ہے جو تقریباً سات سو صفحات کو محیط ہے۔ علامہ نورالدین ابو الحسن علی بن یوسف شطنوفی نے ساتویں صدی ہجری میں اس کتاب کی تصنیف فرمائی۔مولانا حافظ احمد علی شاہ لاہوری نے اردوداں طبقے کے لیے اردو زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔ بہجۃ الاسرار شریف کی عدالت وثقاہت پر جمہور علما کا اتفاق ہے۔سیرت غوث اعظم پر متعدد مستند ومعتبر کتابیں لکھی گئیں ہیں،لیکن اسانید ومتون کی کامل رعایت کی وجہ سے جو مقام ومرتبہ بہجۃ الاسرار شریف کو حاصل ہوا کسی کتاب کو نہ ملا۔

سیرت غوث اعظم پر ضخیم اور مستند کتابیں محققین ومحدثین نے رقم فرمائی ہیں۔درج ذیل چند مشہور کتابیں یہ ہیں:

۱۔نورالناظر فی اخبار شیخ عبدالقادر: علامہ ابوبکر عبداللہ تمیمی عراقی۔

۲۔اسنی المفاخر فی مناقب شیخ عبدالقادر: امام محمد عبداللہ بن اسعد الیافعی الشافعی۔

۳۔خلاصۃ المفاخر فی مناقب شیخ عبدالقادر(تلخیص): امام محمد عبداللہ بن اسعد الیافعی الشافعی۔

۴۔درر الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: علامہ سراج الدین ابوحفص عمر بن علی۔

۵۔روضۃ الناظر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: علامہ مجدالدین فیروزآبادی۔

۶۔الروض الزاہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: علامہ ابوالعباس احمد قسطلانی صاحب المواہب اللدنیہ۔

۷۔نزہۃ الخاطر الفاتر فی مناقب الشیخ عبدالقادر۔علامہ علی بن سلطان محمد قاری حنفی صاحب مرقات شرح مشکوۃ۔

۸۔زبدۃ الآثار تلخیص بہجۃ الاسرار۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ (ملخصا)

بہجۃ الاسرار شریف کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضور غوث اعظم کی سیرت مبارکہ پر لکھی گئی تمام کتابوں کی ماخذ اصلی یہی کتاب ہے۔مصنف نے ہر روایت کی سند کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ہر واقعہ سے متعلق تمام راویوں کے نام ذکر کیے ہیں۔کوئی بات بغیر سند کے نہیں لکھی۔اس کی اکثر سند ثنائی یا ثلاثی ہے یعنی صرف دو یا تین واسطوں سے غوث اعظم تک پہنچتی ہے۔ کتب مناقب اولیاء میں بہجۃ الاسرار کو وہی مرتبہ حاصل ہے جو کتب احادیث میں بخاری شریف کا مرتبہ ہے۔

علما ومحققین کے نزدیک بہجۃ الاسرار شریف انتہائی مقبول ومعتبر کتاب ہے۔لیکن چند شرپسند وہابیہ نے اس کے مصنف پر طعن وتشنیع کے تیر چلائے، کذاب ووضاع جیسے الزامات سے مجروح کیا۔بہجۃ الاسرار شریف کی اہمیت ومقبولیت کم کرنے کی بے جا کوششیں کیں۔اہل سنت وجماعت کی طرف سے اس بے بنیاد الزام کا قاہر رد کیا گیا اور ان کے ناپاک عزائم کا مسکت جواب دیا گیا۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام شطنوفی کے مستند، معتبر اور لائق اعتماد ہونے پر دلائل کی روشنی میں نہایت ہی نفیس تحقیق فرمائی ہے۔آیئے اس کتاب اور مصنف کتاب سے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت کی رائے اور تحقیق ملاحظہ کرتے ہیں اور امام اہل سنت کی وسعت نظری، فنی مہارت وعبقریت کا مطالعہ کرتے ہیں۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے فن رجال کے امام الشان امام ذہبی کی شان وشوکت ظاہر فرما کر انہیں کے اقوال سے صاحب بہجہ امام شطنوفی کی تائید وتوثیق فرمائی۔ارشاد فرماتے ہیں:

"اکابر اجلہ نے انہیں امام مانا، یہاں تک کہ امام فن رجال شمس ذہبی نے باآنکہ اولا ان کی نگاہ در بارہ رجال کس درجہ بلند و دشوار پسند واقع ہوئی ہے۔ ثانیا انہیں حضرات صوفیہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے علوم الٰہیہ سے بہت کم عقیدت بلکہ تقریباً بالکلیہ مجانبت ہے۔ ثالثاً اشاعرہ کے ساتھ ان کا برتاؤ معلوم ہے۔ خود ان کے تلمیذ اجل امام تاج الدین سبکی بن امام اجل برکۃ الانام تقی الملۃ والدین علی بن عبد الکافی قدس سرہما نے تصریح فرمائی کہ **شیخنا الذهبی اذا مر باشعری لایبقی ولایذر**، ہمارے استاذ ذہبی جب کسی اشعری پر گذرتے ہیں تو لگی نہیں رکھتے، کچھ باقی نہیں چھوڑتے، اور امام اجل صاحب بھی اشعری ہی ہیں۔ رابعاً معاصرت دلیل منافرت ہے اور ذہبی ان امام جلیل کے زمانے میں تھے، ان کی مجلس میں حاضر ہوئے ہیں۔ باایں ہمہ ان کے مداح ہوئے اور اپنی کتاب طبقات المقرئین میں ان کو "**الامام الاوحد**" کے لفظ سے یاد فرمایا یعنی امام یکتا۔ امام الشان ذہبی کے یہ دولفظ تمام مدائح ومدارج توثیق وتعدیل واعتماد وتعویل کو جامع ہیں۔ فرماتے ہیں: **علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد المقری نور الدین شیخ القراء بالدیار المصریة ابو الحسن اصله من الشام و مولده بالقاهرة سنة اربع واربعين وست مأة وتصدر للاقراء والتدريس بالجامع الازهر وقد حضرت مجلس اقراءه واستانست بسمته وسكوته**"۔ علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا صاحب تعلیم فرقان حمید تمام بلاد مصر میں شیخ القراء، ابوالحسن کنیت ان کی، اصل شام سے اور ولادت قاہرہ میں، چھ سو چوالیس میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں درس وتعلیم کی صدارت فرمائی۔ میں ان کی مجلس درس میں حاضر ہوا اور ان کی روش وخاموشی سے انس پایا"۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ ص ۲۳۳)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایۃ الدرایات فی اسماء رجال القراءت کے حوالے سے امام جزری کا فرمان نقل کیا اور ان کی عبارت سے امام شطنوفی کو محقق بارع، ثقہ اور عادل ہونے کی سند عطا فرمادی۔ اعلیٰ حضرت رقمطراز ہیں: امام محدث شیخ القراء شمس الملۃ والدین ابو الخیر محمد ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب نہایۃ الدرایات فی اسماء رجال القراءت میں فرماتے ہیں "**علی بن یوسف بن جریر بن فضل بن معضاد نور الدين ابو الحسن اللخمي الشطنوفي الشافعي الاستاذ المحقق البارع شيخ الديار المصرية ولد بالقاهرة سنة اربع واربعين وستمأة وتصدر للاقراء بالجامع الازهر وتكاثر عليه الناس لاجل الفوائد والتحقيق وبلغني انه عمل على الشاطبية شرحا فلو كان ظهر لكان من اجود شروحها وله تعاليق مفيدة قال الذهبي وكان ذاعزام بالشيخ عبد القادر الجيلاني رضي الله تعالىٰ عنه جمع اخباره ومناقبه في ثلاث مجلدات قلت وهذا الكتاب موجود بالقاهرة بوقف الخانقاه الصلاحية واخبرني به واجازة شيخنا الحافظ محي الدين عبد القادر الحنفي وغيره توفي يوم السبت اوان الظهر دفن يوم الاحد العشرين من ذي الحجة سنة ثلاث عشرة وسبع مأة رحمه الله** "علی بن یوسف بن جریر بن فضل بن معضاد نور الدین ابو الحسن لخمی شطنوفی شافعی استاذ محقق بارع یعنی ایسے جلیل فضائل والے کہ انہیں دیکھ کر آدمی حیرت میں رہ جائے تمام بلاد مصریہ کے شیخ ۶۴۴ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں مسند درس پر جلوس فرمایا اور ان کے فوائد و تحقیق کے باعث لوگوں کا ان پر ہجوم ہوا اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ شاطبیہ مبارکہ پر ان کی شرح ہے اگر یہ شرح ملتی تو اس کی سب شرحوں سے بہترین شروح میں ہوتی، ان کے حواشی فائدہ بخش ہیں، ذہبی نے کہا ان کو سرکار غوثیت سے عشق تھا حضور کے حالات وکمالات تین مجلد میں جمع کیے۔ میں شمس جزری فرماتا ہوں کہ یہ کتاب قاہرہ میں خانقاہ حضرت صلاح الدین انار اللہ برہانہ کے وقف میں موجود ہے ہمارے استاذ حافظ الحدیث محی الدین عبد القادر حنفی وغیرہ استاذوں نے ہمیں اس کتاب کی روایات کی خبر ومضامین کی اجازت دی، حضرت مصنف کتاب ممدوح کا روز شنبہ وقت ظہر وصال ہوا اور روز یکشنبہ بستم ذی الحجہ ۷۱۳ھ کو دفن ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔ (رضویہ، ایضا)

اسی طرح امام جلال الدین سیوطی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں فرماتے ہیں: **علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد نور الدین ابو الحسن شیخ القراء بالدیا ر المصریة ولد بالقاهرة سنة اربع اربعين وست مأة**

وتصدر للاقراء بالجامع الازهر وتكاثر عليه الطلبة مات في ذي الحجه سنة ثلاث عشرة وسبع مأة ''علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا نورالدین ابوالحسن دیارمصر میں شیخ القراء قاہرہ میں ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں مسند تدریس پر جلوس فرمایا، طلبہ کا ان پر ہجوم ہوا، ذی الحجہ ۷۱۳ھ میں انتقال فرمایا''۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی زبدۃ الاسرار میں فرماتے ہیں: بہجۃ الاسرار من تصنیف الشیخ الامام الاجل الفقیہ العالم المقری الاوحد البارع نورالدین ابی الحسن علی بن یوسف الشافعی اللخمی بینہ وبین الشیخ واسطتان''۔ بہجۃ الاسرار تصنیف شیخ امام اجل فقیہ عالم مقری یکتا بارع نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف شافعی لخمی ان میں اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ میں دو واسطے ہیں۔ (رضویہ)

مذکورہ تصریحات ونصوص کی روشنی میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے صاحب بہجہ کی تعدیل وتوثیق روز روشن کی طرح عیاں کردی۔

بہجۃ الاسرار شریف کے معتبر ومستند ہونے پر بھی محققین کی صراحت پیش کی، فرماتے ہیں: امام عمر بن عبدالوہاب قرضی حلبی نے اپنے نسخہ کتاب بہجۃ الاسرار شریف پر لکھا: ''قد تتبعتها فلم اجد فيها نقلا الا وله فيه متابعون وغالب ما اورده فيها نقله اليافعي في اسنى المفاخر وفي نشر المحاسن وروض الرياحين وشمس الدين الزكي الحلبي ايضا في كتاب الاشراف الخ'' بے شک میں نے اس کتاب بہجۃ الاسرار شریف کو اول تا آخر جانچا تو اس میں کوئی روایت ایسی نہ پائی جسے اور متعدد اصحاب نے روایت نہ کیا ہو اور اس کی اکثر روایتیں امام یافعی نے اسنی المفاخر ونشر المحاسن وروض الریاحین میں نقل کیں۔ یوں ہی شمس الدین زکی حلبی نے کتاب الاشراف میں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (محدث دہلوی) اپنے رسالہ صلاۃ الاسرار میں فرماتے ہیں: کتاب عزیز بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار معتبر ومقرر ومشہور ومذکور است ومصنف آں کتاب از مشاہیر مشائخ وعلما است میان وے وحضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو واسطہ است ومقدم است بر امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہ ایشاں نیز از منتسبان سلسلہ ومحبان جناب غوث الاعظم اند'' اسی میں ہے ایں فقیر در مکہ معظمہ بود در خدمت شیخ اجل اکرم اعدل شیخ عبدالوہاب متقی کہ مرید امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس سرہما بودند فرمودند بہجۃ الاسرار کتاب معتبر است ما نزد یک ایں زمان مقابلہ کردہ ایم وعادت شریف چناں بود کہ اگر کتابے مفید ونافع باشد مقابلہ می کردند وتصحیح می نمودند دریں وقت کہ فقیر رسید بمقابلہ بہجۃ الاسرار مشغول بودند''۔ (رضویہ)

امام اہل سنت نے مذکورہ عبارات نقل کرنے کے بعد اپنا قول فیصل سنایا، ارشاد فرماتے ہیں: الحمدللہ ان عبارات ائمہ واکابر سے واضح ہوا کہ امام ابوالحسن علی نورالدین مصنف کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار امام اجل امام یکتا محقق بارع فقیہ شیخ القراء منجملہ مشاہیر مشائخ وعلما ہیں۔ اور یہ کتاب مستطاب معتبر ومعتمد کہ اکابر ائمہ نے اس سے استناد کیا اور کتب حدیث کی طرح اس کی اجازتیں لیں، دیں۔

اعلیٰ حضرت کی نظر میں بہجۃ الاسرار کا مرتبہ:

صحت وعلو اسانید کے اعتبار سے بہجۃ الاسرار شریف کا مرتبہ نہایت بلند ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اسے بخاری شریف اور مؤطا امام مالک کے درجہ کے برابر قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: کتب مناقب سرکار غوثیت میں باعتبار علو اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتب حدیث میں مؤطا امام مالک کا، اور کتب مناقب اولیا میں باعتبار صحت اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتب حدیث میں صحیح بخاری کا، بلکہ صحاح میں بعض شاذ بھی ہوتی ہیں اور اس میں کوئی حدیث شاذ بھی نہیں۔ امام بخاری نے صرف صحت کا التزام کیا اور ان امام جلیل نے صحت وعدم شذوذ دونوں کا اور بشہادت علامہ عمر حلبی وہ التزام تام ہوا کہ اس کی ہر حدیث کے لیے متعدد متابع موجود ہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس تحقیق انیق سے بہجۃ الاسرار شریف کی عدالت وثقاہت خوب روشن ہوگئی اور تمام شکوک وشبہات رفع ہوگئے۔ اللہ رب العزت اس کی مقبولیت عام وتام کرے اور ہم اہل سنت وجماعت کو دامن غوث اعظم سے ہمیشہ وابستہ رکھے۔ آمین

امام غزالی کے فرامین

اور حضور مجاہد ملت قدس سرہ العزیز

ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی (دہلی)

امام محمد غزالی شافعی رحمۃ اللہ علیہ(۴۵۰ھ-۵۰۵ھ) نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تحصیل علم میں گذارا، مگر جب حصول علم سے ان کی زندگی مطمئن نہ ہوئی تو راہ سلوک پر چلنے لگے۔اسی عالم میں آپ نے انسانی اخلاق واعمال پر مشتمل''احیاء العلوم'' جیسی نادر کتاب تصنیف کی۔اس کتاب کے بارے میں تجزیہ نگاروں کی رائے ہے کہ یہ کتاب ایک بہترین استاذ اور مرشد کی حیثیت رکھتی ہے ۔اصلاح کا طالب جب اس کا مطالعہ کرتا ہے تو خود اس کے عیوب اس پر منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں اور اخلاق گوہر سے مالا مال آدمی جب اس کا مطالعہ کرتا ہے تو تکبر وریا جیسی مہلک اخلاق بیماری سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت علم ہے، جس کی بے شمار انواع واقسام ہیں۔مسلم معاشرہ میں جس علم کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، وہ دینی وشرعی علوم ہیں، جس کی تکمیل کرنے والا عالم وفاضل کہلاتا ہے۔قرآن کریم اور حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، مگر ہر درس نظامی کی تکمیل کرنے والا اس فضیلت کا اہل ہو، ضروری نہیں اور یہ بات شروع سے علما اور خود شارع علیہ السلام کے پیش نظر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث پاک اور مستند دینی کتابوں میں علما کی فضیلت اور فضیحت دونوں پر تفصیلی بحث موجود ہے اور علما ''علمائے آخرت اور علمائے سوٗ'' میں منقسم ہیں ۔فضیلت کا سہرا علمائے آخرت کے لیے ہے اور عذاب الیم کی بشارت علمائے سوٗ کے لیے ہے۔

علم جس طرح فضیلت کا ذریعہ ہے، اگر تائید الٰہی شامل نہ ہو تو یہ بڑی مہلک چیز ہے۔اس موضوع پر امام غزالی نے شرح وبسط کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے اور انہوں نے کھرا وکھوٹا کی معیار قائم کی، اور اس کی علامات بتائی ہیں۔یہ بات مسلم ہے کہ''احیاء العلوم'' قرآن وحدیث کے درجہ کی کتاب نہیں اور نہ ہو سکتی ہے، لیکن قرآن وحدیث کے مطالعے وحوالے سے انہوں نے جو باتیں لکھی ہیں، وہ یقیناً قابل عمل ہیں ۔عالم آخرت یا علمائے حق کی جو علامت انہوں نے تحریر فرمائی ہے، اس پر کھرا اترنے والا ضرور عالم آخرت ہے۔اگر چہ ہمارا یہ کام نہیں کہ کسی مستند شخصیت کو پرکھیں۔ ہمارا کام تو استفادہ کرنا اور فیضان حاصل کرنا ہے، لیکن کسی کو شبہ ہو تو اطمینان ہو سکتا ہے۔

امام غزالی نے جس گہرائی اور گیرائی سے اس موضوع پر بحث کی ہے، اسے علما کو نہ صرف پیش نظر رکھنے، بلکہ حرز جان بنانے کی ضرورت ہے۔جن ہوشیار علما نے ان نصیحتوں کا خیال رکھا ہے وہ اپنے اقران پر فائق، عمل میں طاق اور شیطان کے فریب سے محفوظ رہے ہیں۔انہیں علما میں سے ایک مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عباسی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔

آپ ضلع بھدرک (اڑیسہ) کے ایک گاؤں دھام نگر میں پیدا ہوئے۔الہ آباد، اجمیر معلیٰ اور بریلی شریف میں علمی تشنگی بجھائی۔ اس دور کے نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کی اور مروجہ طریقے سے فراغت حاصل کی۔ان کی زندگی کا قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ کتابوں تک محدود رہنے کی بجائے وہ کتابوں کے علم کو عمل کے سانچے میں ڈھالنے میں مصروف ہو گئے ۔ان کی زندگی گونا گوں خصوصیات کی حامل تھی۔ اس مضمون میں ان کی علمی اور استاذی حیثیت اور امام

غزالی کے معیار میں مطابقت دکھانے کی کوشش کی جائے گی۔

امام غزالی نے عالم ربانی کی مندرجہ ذیل پہچان بتائی ہے۔

(۱) اپنے علم کی وجہ سے دنیا طلب نہ کرے۔(۱) مجاہد ملت کا عمل: علما کی آمدنی کے ذرائع میں مسجد و مدرسہ سے وابستگی کی صورت میں ملنے والا مشاہرہ ہے۔علمائے متأخرین نے بوجہ ضرورت امامت وتعلیم دین کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے، تاکہ قرآن کریم کی تعلیم اور دیگر اسلامی معمولات متأثر نہ ہو۔مجاہد ملت نے بھی فراغت کے بعد چند مدرسوں میں تدریسی خدمات انجام دی اور صدر المدرسین کے عہدہ پر بھی فائز رہے، مگر ان کے متعلق مولانا مجاہد حسین حبیبی نے لکھا ہے کہ درس وتدریس کا یہ سلسلہ خالصاً لوجہ اللہ الکریم تھا۔تعلیم دینے کے عوض معاوضہ لینا تو درکنار مجاہد ملت خود ہی مدرسہ کو چندہ دیتے رہے، بلکہ بیک وقت درجنوں غریب ونادار طلبا کی کفالت بھی فرماتے رہے۔

(۲) دوسرا ذریعہ نذرونیاز ہے جو کہ عمومی طور پر جلسے، جلوس اور میلاد وفاتحہ سے حاصل ہوتا ہے۔مجاہد ملت پیسہ کا مطالبہ کئے بغیر ان محافل میں شرکت کرتے تھے اور اگر کوئی پیشگی کرایہ کی رقم دیتا تو واجبی خرچ سے بچی ہوئی رقم واپس فرمادیتے تھے۔عالم اگر شیخ طریقت ہو تو حلقۂ ارادت کا نذرانہ بھی آمدنی کا ذریعہ ہے۔بلا شبہ ہدیہ لینا اور دینا سنت وثواب ہے، مگر جب اس کا طمع پیدا ہو جائے تو بجائے ثواب کے ذریعہ عذاب ہے۔حضرت محبوب الٰہی ایسے شخص کو خلافت نہیں دیتے تھے جو مرید کے مال پر طمع کرنے والا اور لالچی ہو۔(۳) حضرت مجاہد ملت کے بارے میں مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے انہوں نے کبھی کسی منفعت کی امید نہیں رکھی۔

(۲) بقول غزالی علمائے آخرت کی ایک خاصیت خوف الٰہی ہے(۵) مجاہد ملت کی زندگی انواع واقسام کی خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ سیاسی، سماجی، علمی، عملی، فکری، تدریسی اور تنظیمی اوصاف سے مملو تھی، مگر ان کی زندگی کا طرۂ امتیاز خوف الٰہی تھا اور اس خوف نے انہیں دنیا سے بے خوف کر دیا تھا اور اس کی جلوہ آرائی کے ناظر ومعترف جملہ معاصرین تھے۔چنانچہ مولانا عبد القدیر بدایونی نے کہا ہے کہ :ہمارا اور مولانا حبیب الرحمٰن کا یہ فرق ہے کہ ہم لوگ سب سے ڈرتے ہیں، خدا سے نہیں ڈرتے اور مولانا حبیب الرحمٰن کسی سے نہیں ڈرتے، خدا سے ڈرتے ہیں۔

(۶) حضرت سرکار کلاں علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: وہ علم وفضل اور تقویٰ کے ایک ممتاز مقام پر فائز تھے(۷) ان کے ممتاز ہمعصر اور تاج الشریعہ ادام اللہ اقبالہ کے والد گرامی حضرت مولانا ابراہیم رضا خاں زیب سجادہ خانقاہ رضویہ بریلی المعروف بہ مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے بھی ان کے تقویٰ شعاری میں لاثانی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔اب یہ بات قابل حیرت نہیں رہتی کہ وہ جابران وقت سے کیوں کر ٹکرا گئے؟ حکومت کی مسلم کش پالیسی کو بے لاگ طریقے سے اجاگر کرنے کی جرأت کیسے کی؟ جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی مومنانہ اوصاف کی پابندی کیسے کی؟ ملک سے باہر سعودیہ عربیہ کی سرزمین پر اقتدائے وہابیت سے نہ صرف انکار، بلکہ اپنے منکر ہونے کا برملا اظہار کیوں کر کیا؟ یہ سب مجاہدانہ کارنامے اس لیے وہ انجام دے سکے کہ انہیں خوف خدا کے علاوہ کوئی خوف نہیں تھا۔ان کے اس جرأت کا اعتراف کرتے ہوئے سابق وزیر اعلیٰ اڑیسہ ہری کرشن مہتاب نے کہا تھا: اگر ہندوستان کے مسلمانوں میں کوئی مرد ہے تو وہ ہے مولانا حبیب الرحمٰن۔حضور مجاہد ملت نے خوف خدا کی برکتوں کا اتنا مشاہدہ اپنی زندگی میں کیا تھا کہ ان کی زبان زد باتوں میں سے ہے: جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہیں، ہزاروں سے ڈرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔

(۳) بقول امام غزالی عالم آخرت فتویٰ دینے میں جلد بازی نہ کرے، بلکہ جب تک اس سے بچے رہنے کی سبیل معلوم ہو، تب تک توقف اور احتراز ہی کرے(۸) علمائے متقدمین کا اس پر سختی سے عمل رہا ہے۔امام اعظم نے قاضی کا عہدہ لینے سے معذرت ظاہر کی، شاید ان کے پیش نظر یہی بات رہی ہو۔بلا شبہ بہ نیت اصلاح ورہنمائی، فتویٰ دینا کار ثواب ہے مگر گزشتہ دو دہائی سے فتویٰ میں جلد بازی کی وجہ سے ہمارے مسلکی اتحاد کو جو نقصان پہنچا ہے، وہ ناقابل تلافی ہے اور حد تو یہ ہے کہ جس ملت کی بڑی آبادی اسلام کی بنیادی باتیں نہیں

جانتی ،وہ اختلافات سے دور رہنے والے سنجیدہ علما سے زیادہ ان اختلافات کو جانتی ہے۔کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم اپنے فتاویٰ کی تائید میں ظاہری طور پر مآخذ فقہ اور باطنی طور پر عقید تمندوں کا استعمال کررہے ہیں۔خدا کرے کہ مواصلاتی ذرائع کی فراوانی کے دور میں ہمارے یہ اختلافات رحمت کی حد میں رہیں۔حضور مجاہد ملت نے اپنے لیے جس میدان زندگی کو اختیار کیا تھا،اس کے لیے تدریسی ذمہ داری ہی بوجھ تھی، چہ جائیکہ فتویٰ نویسی۔میرے خیال سے امام غزالی نے جو بات کہی ہے۔اس کا منشا ہو کہ اپنے بڑوں اور ہمعصروں میں لائق و فائق کی رائے کا ہی انتظار کیا جائے۔

ایک مرتبہ ''جماعت اسلامی'' پر پابندی لگی تو ''تحریک خاکساران حق'' کے مستقبل کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے آپ نے اس کے مظاہرہ تائید کی اور مولانا وارث جمال قادری سے کہا: سنا ہے کہ تم لکھنا جانتے ہو تو ایسا کرو کہ ایک خط آل انڈیا تبلیغ سیرت کی طرف سے وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے نام اس مفہوم کا اپنے طور پر لکھ کر ابھی ابھی لاؤ(۹) حیرت ہوتی ہے کہ شرائط مناظرہ لکھواتے وقت فریق ومخاصم کو حیران و پریشان کر دینے والے عظیم مناظر کیا خط نہیں لکھ سکتے تھے۔ہاں،ضرور لکھ سکتے تھے،مگر تحریری کاوش کرنے والوں کو حوصلہ کیسے ملتا؟ آج پیروں کو یہ فکر ستائے جارہی ہے کہ لوگ مرید کیسے ہوں؟ خدا جانے مطلوب کب سے طالب کی منزل میں آ گئے۔ملی انتشار میں کہیں نہ کہیں یہ جذبہ بھی اہم رول ادا کررہا ہے۔خدا کرے کہ مطلوب مطلوب اور طالب طالب ہی رہے۔

مجاہد ملت کو کئی سلاسل سے اجازت وخلافت حاصل تھی اور بڑے بڑے علما ان سے مرید بھی تھے،مگر حال کیا تھا؟ مولانا عاصم اعظمی لکھتے ہیں: میں نے ایک دوست کی معرفت مرید ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تو فرمایا: میاں! بڑے بڑے پیر موجود ہیں،ان سے مرید ہو جانا(۱۰) ایک اور صاحب سے آپ نے یہی کہا تھا: کسی پیر سے مرید جاؤ،میں ایک مولوی ہوں۔اس کے سوا کچھ نہیں(۱۱) بڑی شخصیت خطیبانہ جوہر کی حامل ہو یا نہ ہو۔عوام اور علما کی خواہش ہوتی ہے کہ اگر حضور والا ناصحانہ کلمات ارشاد فرمادیں تو زہے نصیب؛ مجاہد ملت ان موقعوں سے کس خوش اسلوبی سے گذرتے تھے،اس کی منظر کشی کرتے ہوئے مفتی عبدالواجد صاحب نے لکھا ہے۔''تبلیغی دوروں میں جب علمائے کرام کا اصرار ہوتا کہ حضور اپنے کلمات طیبات سے نوازیں تو آپ نہایت سادگی کے ساتھ جواب دیتے۔بھئی میں مقرر نہیں ہوں،تقریر میں نظامی میرا دادا ہے۔تقریر سننی ہے تو انہیں سے سنو(۱۲)

(۴) امام غزالی نے لکھا ہے کہ عالم آخرت کی علامت سکوت ہے(۱۳) بلاضرورت ہرگز کوئی بات نہ کرے۔مجاہد ملت سنت نبوی کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔وہ بلاضرورت نہیں بولتے تھے اور کچھ بولتے تو موقع محل کے مطابق ہوتا۔

(۵) امام غزالی نے فرمایا کہ علم باطن اور دل کی نگرانی اور طریق آخرت کے پہچاننے اور اس پر چلنے کا زیادہ اہتمام رکھے(۱۴) علم ظاہر کے ساتھ علم باطن یا علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو یہ نفع بخش نہیں ہوتا اور محض زاہدانہ زندگی جس میں ملک اور مخلوق خدا کی فلاح و بہبود کی فکر نہ ہو، بیکار ہے۔بلاشبہ مجاہد ملت علم باطن کے باعمل عالم تھے،مگر ان کی زندگی خشک زاہدانہ زندگی نہیں تھی، بلکہ زاہدوں کو یہ پیغام دیتی تھی کہ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری۔

انہیں تزکیہ وسلوک سے کتنا لگاؤ تھا۔اجمیر مقدس میں مولانا عبدالحق علیہ الرحمہ سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں مولانا عاصم اعظمی کا بیان ہے کہ دونوں بزرگ تصوف وسلوک سے متعلق باتیں کررہے تھے۔ناچیز سنتا زیادہ تھا،سمجھتا کم تھا۔یہ اسرار ورموز اور معرفت کی باتیں تھیں۔اس کج فہم کے پلے کیا پڑتی (۱۵) مفسر اعظم علیہ الرحمہ نے راہ سلوک میں ان کے مرتبہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے: خلوص اور خشیت ومعرفت میں اس وقت ملک کے اندر ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔اگر میری زبان میں گویائی ہوتی تو میں لوگوں کو بتاتا کہ وہ صرف مجاہد ملت ہی نہیں، اپنے دور کے قطب الارشاد ہیں (۱۶) ایک مرتبہ جب سلوکی قبض میں مبتلا ہوئے اور کئی اہم شخصیتوں اور مزارات کی حاضری کے باوجود بسط میں نہ آئے تو حضور مفسر اعظم نے اپنی ٹوپی ان کے قدموں پر رکھ

دی، جس سے افاقہ ہوا۔

(۶) امام غزالی نے فرمایا: یقین کرے اللہ تعالیٰ ہر حال میں مجھ پر مطلع ہے اور میرے دل کے وسوسوں اور خفیہ خطروں اور فکروں کو دیکھتا ہے (۱۷) مجاہد ملت کو اس معیار پر پرکھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ بڑے بڑے امیر وافسر کے یہاں وہی لباس پہن کر جاتے تھے، جو لباس عبادت الٰہی کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان کی عادت نہیں تھی کہ کلاہ کج میں نئے خم اٹھا لئے جائے۔ ایک مرتبہ جج کے یہاں جاتے وقت لوگوں نے لباس تبدیل کرنے کی فرمائش کی تو کہا: حبیب الرحمٰن جو لباس پہن کر خدا کی بارگاہ میں جاتا ہے ،اس کے علاوہ دوسرا لباس تبدیل نہیں کرے گا۔

(۷) امام غزالی نے فرمایا: غمگین ہو کر انکساری سے سر جھکائے خاموش رہے، صورت اور لباس اور سیرت وحرکت اور سکون اور گفتار اور خاموشی سب میں خوف کا اثر ظاہر ہو (۱۸) مجاہد ملت کی زندگی کا جو نقشہ خوف الٰہی کے زیر اثر تیار ہوا تھا۔ اس کی تصویر کشی کرتے ہوئے مفتی عبد الواجد صاحب لکھتے ہیں: درویشانہ ملبوسات ،انداز گفتگو پر وقار، نشست و برخاست اور ان کے حضور متبحر علمائے کرام اور اساتذۂ عظام کا عجز واحترام دیکھ کر میں گرویدہ ہوتا چلا گیا (۱۹)

(۸) اپنے علوم میں اعتماد، اپنی بصیرت اور دل کی صفائی کے ادراک پر کرتے رہیں (۲۰) اس کا مقصد یہ ہے کہ دل میں علم نافع کی اہمیت سمجھ میں آجائے۔ مجاہد ملت نے اپنے علوم کو نافع بنانے کی سعی ساری عمر کی اور زندگی ایسی پاکیزہ گزاری کہ کہیں سے ان کی زندگی پر کوئی داغ نہیں نظر آتا۔

(۹) امام غزالی نے فرمایا: بدعات اور نو ایجادات امور سے بچے، اگر چہ اس پر تمام عوام نے اتفاق کر لیا ہو (۲۱) آج عام طور پر اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ عوام الناس کی طرح علما بھی نئی ایجادات سے محروم نہ رہیں۔ بلا شبہ جائز چیزوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، مگر ذراسی منفعت اور کثیر مضرت پر مشتمل چیزوں کے استعمال میں خود علما کا دینی واخلاقی خسارہ ہے۔ مجاہد ملت کے عہد میں کار اور موٹر سائیکل نئی ایجادات تھی، مگر آپ نے سائیکل کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کو ترجیح دی ہے اور کبھی ان چیزوں کی خواہش نہیں کی۔

ان کی عالمانہ جلوہ سامانیوں کے بعد اب دیکھتے ہیں کہ انہوں نے حق استادی کو کس خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے۔ ایک ذمہ دار استاذ کی علامت ومعیار قائم کرتے ہوئے امام غزالی لکھتے ہیں: (۱) شاگردوں پر شفقت کرے اور انہیں اپنے بیٹوں کے برابر جانے۔

انسانی معاشرہ میں استاذ ومعلم کا بڑا اونچا مقام ہے۔ وہ مستقبل کی آبادی کا معمار ہوتا ہے، مگر عصر حاضر میں جو خامیاں معلم اور متعلم کے اندر پیدا ہوگئی ہیں، وہ محتاج بیان نہیں۔ مجاہد ملت اس کی پوری رعایت فرماتے تھے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد سے محروم رکھا تھا، مگر وہ جملہ طلبا پر باپ کی سی شفقت فرماتے تھے ۔ جامعہ نعیمیہ کے ایام تدریس میں عبد الرب نامی ایک طالب علم تھا ۔ وہ حضرت سے بہت مانوس تھا۔ مجاہد ملت بھی ان پر شفقت فرماتے تھے اور ان کی کفالت بھی فرماتے تھے۔ ایک غم والم کی تصویر بنی عورت ان سے ملنے آئی۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ عبد الرب نے جواب دیا۔ یہ میری بیوہ ماں ہے۔ خاندان کے لوگوں نے گھر سے نکال دیا ہے۔ مجاہد ملت نے کہا۔ میں تمہارے گھر آوں گا اور جب محلّہ میں پہنچے تو امیروں نے اپنے یہاں قیام کرنے کی فرمائش کی۔ مجاہد ملت نے کہا۔ میں آج اس بیوہ کا مہمان ہوں اور آپ نے انہیں خاندان والوں سے انصاف دلایا۔

(۲) امام غزالی نے فرمایا: معلم کو چاہئے کہ علم سکھانے پر کوئی صلہ طلب نہ کرے اور نہ شکریہ کا خواہاں ہو۔ لوجہ اللہ علم پڑھائے۔ مجاہد ملت کی تدریسی زندگی کے بارے میں مولانا مجاہد حسین حبیبی لکھتے ہیں۔ ''درس وتدریس کا یہ سلسلہ خالصا لوجہ اللہ الکریم تھا۔ تعلیم دینے کے عوض معاوضہ لینا تو درکنار، مجاہد ملت خود مدرسہ کو چندہ دیتے رہے، بلکہ بیک وقت درجنوں غریب ونادار بچوں کی کفالت بھی فرماتے تھے''۔ (۲۲)

(۳) امام غزالی نے فرمایا: شاگردوں کی نصیحت میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔ آج طلبا کی ذہنی ارتقا کی راہ کا روڑا حاشیہ اور شروحات کا مطالعہ ہے۔ اس کی وجہ سے امتحان پاس کرنا تو آسان ہو گیا ہے، مگر

فن پر کامل عبور نہیں ہو پاتا۔ حضرت نظامی صاحب علیہ الرحمہ کہتے ہیں: حضرت، طلبا کو حاشیہ دیکھنے سے منع فرماتے اور کہتے تھے کہ حاشیہ دیکھنے سے ذہن کند ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے، اصل متن کو حل کرنے کی کوشش کیجئے۔

(۴) امام غزالی نے فرمایا: شاگرد کی فہم کی رعایت کرے۔ مجاہد ملت طلبا کی فہم کی کیسی رعایت کرتے تھے۔ راوی بیان کرتا تھا؛ مجاہد ملت چہروں کو دیکھ کر اس کی ذہانت کا اندازہ کر لیا کرتے تھے اور یہ بھی معلوم کر لیتے تھے کہ کون میری بات سمجھا ہے اور کون نہیں سمجھا۔ ان کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ میں امتناع کذب باری کے مسئلہ کو سمجھنا چاہتا تھا۔ مجاہد ملت سے رجوع کیا۔ مجاہد ملت نے ایسا سمجھایا کہ تردد کا شائبہ نہ رہا۔

(۵) امام غزالی نے فرمایا: جس علم کو پڑھاتا ہو، اس کے علاوہ دوسرے علوم کی برائی دل میں نہ ڈالیں (۲۳) یہ معاملہ عمومی طور پر اس وقت ہوتا ہے۔ جب استاذ کسی فن میں ناقص ہوتا ہے اور کسی میں کامل ہوتا ہے۔ جس میں وہ کامل ہوتا ہے، اس کے علاوہ دوسرے فنون کو ناقص سمجھتا ہے۔ فلسفہ پڑھانے والا، عربی ادب پڑھانے والے کے بارے میں کہتا ہے۔ وہاں، **ہذا جمل و ذلک کلب**، کے سوا کیا ہے۔ تفسیر وحدیث کا ماہر فقہ کے استاذ کے بارے میں کہتا ہے۔ وہاں حیض ونفاس کے علاوہ کیا ہے؟ مجاہد ملت منطق وفلسفہ کے امام تھے اور اسی فن میں مشہور تھے، مگر کبھی دوسرے فن کی برائی نہیں کی۔ ہاں، ایک طالب علم جو بعد میں شمس العلما کے لقب سے مشہور ہوئے۔ صرف فلسفہ پڑھنے کی بات کہی تھی اور آپ نے رضامندی بھی ظاہر کر دی تھی، مگر ''ہدایہ'' کا درس ہدایہ پڑھانے والے مدرس کی عدم موجودگی میں دیا تو وہ معافی مانگنے لگے کہ حضور مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔ اب میں جملہ علوم آپ ہی سے پڑھوں گا۔

(۶) امام غزالی نے فرمایا: اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو۔ مجاہد ملت کی عملی زندگی کے بارے میں مولانا یٰسین اختر مصباحی نے لکھا ہے: سعیٔ متواصل اور اضطراب مسلسل کا نام مجاہد ملت ہے (۲۴) پروفیسر غلام یحییٰ انجم مصباحی نے لکھا ہے: سنت کی پاسداری مجھے صحیح معنوں میں حضور مجاہد ملت کے یہاں دیکھنے کو ملی

(۲۵) قارئین نے مندرجہ بالا سطور میں تفصیلات مشاہدہ کر لیا ہوگا کہ امام غزالی نے عالم واستاذ کے لیے جو معیار قائم فرمائی ہے، مجاہد ملت اس پر پورے اترتے تھے۔ آج ہر عالم اور ہر معلم کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ مجاہد ملت کی زندگی کو اپنائے، تاکہ تیزی سے تعلیم کو تجارت بننے سے روکا جا سکے اور خطبائے کرام حضور مجاہد ملت کی زندگی کو اپنائیں، تاکہ علم نافع کی حقیقی لذتوں سے وہ بہرہ ور ہو سکیں اور ٹوٹتے بکھرتے معاشرہ کو سہارا مل سکے۔ اسی لئے حدیث میں کہا گیا کہ امرا اور علما سدھر جائیں تو پورا سماج سدھر سکتا ہے۔ امرا کو بھی چاہئے کے انفاق فی سبیل اللہ کے عمل کو پیش نظر رکھیں۔

حواشی وحوالے۔

(۱) احیاء العلوم جلد اول اردو ص۱۳۶-ایم اے انصاری پرنٹر دہلی ۱۹۹۹ء
(۲) تبلیغ سیرت کا مجاہد نمبر ص۳۸ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۳) تذکرہ مشائخ عظام ص۲۷۶ مبارک پور
(۴) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۲۷۶ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۵) احیاء العلوم جلد اول اردو ص۱۵۶۔ ایم اے انصاری پرنٹر دہلی ۱۹۹۹ء
(۶) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۷۷۔ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۷) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۷۵۔ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۸) احیاء العلوم جلد اول اردو ص۱۶۱۔ ایم اے انصاری پرنٹر دہلی ۱۹۹۹ء
(۹) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۴۲۔ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۱۰) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۵۸۔ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۱۱) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۲۹۔ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۱۲) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۷۳۔ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۱۳) احیاء العلوم جلد اول اردو ص۱۶۶۔ ایم اے انصاری پرنٹر دہلی ۱۹۹۹ء
(۱۴) احیاء العلوم جلد اول اردو ص۱۶۷۔ ایم اے انصاری پرنٹر دہلی ۱۹۹۹ء
(۱۵) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۵۸۔ کولکاتا مئی ۲۰۷۷ء
(۱۶) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۷۳۔ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۱۷) احیاء العلوم جلد اول اردو ص۱۷۵۔ ایم اے انصاری پرنٹر دہلی ۱۹۹۹ء
(۱۸) احیاء العلوم جلد اول ص۱۷۶۔ ایم اے انصاری پرنٹر دہلی ۱۹۹۹ء
(۱۹) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۶۷۔ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۲۰) احیاء العلوم جلد اول اردو ص۱۸۳۔ ایم اے انصاری پرنٹر دہلی ۱۹۹۹ء
(۲۱) احیاء العلوم جلد اول اردو ص۱۸۵۔ ایم اے انصاری پرنٹر دہلی ۱۹۹۹ء
(۲۲) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۲۹۔ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۲۳) احیاء العلوم جلد اول اردو ص۱۲۹۔ ایم اے انصاری پرنٹر دہلی ۱۹۹۹ء
(۲۴) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۶۰۔ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء
(۲۵) تبلیغ سیرت کا مجاہد ملت نمبر ص۱۳۳۔ کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء

سلف وخلف طلبہ کا تقابلی جائزہ

مولانا کمال احمد علیمی (دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی)

علم دین کی طلب وتحصیل ہر مسلمان مردوعورت پر فرض ہے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی وحی نازل ہوئی تو اس میں پڑھنے کا حکم دیا گیا،حالانکہ اس وقت دنیا میں ہزاروں برائیاں پھیلی ہوئی تھیں،مگر ازل ہی سے علم الٰہی میں تھا کہ تمام برائیوں کا خاتمہ،اورایک بہترین سماج کی تشکیل بغیر علم کے ممکن نہیں ہے۔اسی لیے رب کریم نے اپنے سب سے محبوب ومقبول پیغمبر کو سب سے پہلے حصول علم کا حکم دیا،کیوں کہ اس کے بغیر نہ تو ایک بہترین معاشرہ کی تعمیر ہوسکتی ہے، نہ ہی ذات الٰہی کی معرفت جو تخلیق انسانی کا مقصد اصلی ہے۔

علم کی اسی اہمیت کے ناطے طالب علم کی اہمیت وفضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔اسے حامل خیر اور دنیا کا بہترین انسان قرار دیا گیا ہے۔اس کے قدموں کے نیچے فرشتے اپنا پر بچھاتے ہیں،سمندر کی مچھلیاں اس کے لیے دعا کرتی ہیں اور اس کے لیے بے شمار فضائل ومناقب ہیں۔

ظاہر ہے کہ ”جس کے رتبے اتنے ہیں سوا،اس کے سوا مشکل ہے“۔اللہ رب العزت نے جس طرح سے علم اور طالب علم کو اعلیٰ عظمت واہمیت سے سرفراز فرمایا ہے،اسی طرح سے طالب علم کے لیے ذمہ داریاں بھی بہت رکھی ہیں۔علم حاصل کرکے اپنی اصلاح،سماج کی بہتری،دین کی حفاظت وصیانت،بالخصوص اسلامی اقدار وروایات کی پاسداری یہ سب ایک طالب علم کی ذمہ داریاں ہیں،جو ان کے علاوہ کسی اور درجہ کے حصول کو غرض وغایت قرار دے،وہ طالب علم کہلانے کا حق دار نہیں۔

ہمارے اسلاف طلبہ اس بارے میں ہمارے لیے آئیڈیل ہیں۔ان کی طالب علمی کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔کس طرح سے انہوں نے اپنے گھر،خاندان،اہل وعیال،دنیاوی مال منال،اور دنیا واہل دنیا سے کنارہ کشی کرکے صرف رضائے الٰہی کے حصول اور دین اسلام کی ترویج اور تبلیغ کے لیے تحصیل علم کیا۔یہ باتیں ہمارے لیے قابل تقلید اور لائق اتباع ہیں۔

میں موضوع کو مدنظر رکھتے ہوئے ذیل میں چند سرخیوں کے تحت سلف وخلف طلبہ کے درمیان ایک مختصر تقابلی جائزہ پیش کرتا ہوں۔

حصول علم کا مقصد اصل: اس میں دورائے نہیں ہے کہ علم دین کی تحصیل کا مقصد اصلی رب کریم کی معرفت،اوراس کی عبادت کرکے رضائے الٰہی کی تحصیل ہے۔اس کے علاوہ اگر کچھ اور مقصد ہوتو اس علم کو نہ تو علم دین کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے طالب کو وہ ساری فضیلتیں حاصل ہوں گی ،جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں۔ہمارے اسلاف نے علم اسی مقصد سے حاصل کیا۔حدیث شریف میں ہے ﴿**من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله لايتعلمه الا ليصيب به عرضًا من الدنيا،لم يجد عرف الجنة يوم القيامة**﴾ (ابوداؤد) یعنی جوشخص رضائے الٰہی حاصل کرانے والا علم دنیا کے لیے حاصل کرے،تو وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔بلاشبہ یہ حدیث پاک ہمارے اسلاف کے سامنے

تھی۔ اس لیے انہوں نے محض اللہ کی رضا کی تحصیل کے لیے علم حاصل کیا، چنانچہ امام اوزاعی کا مشہور قول ہے کہ ایسے علما کے لیے تباہی ہے جو عبادت کو چھوڑ کر کسی دوسرے مقصد کے لیے دین میں فقاہت پیدا کرتے ہیں۔

آج ہم اپنے دور کے طلبہ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں بے حد افسوس ہوتا ہے۔آج علم دین کی تحصیل کا مقصد اصلی چند امور ہیں۔سرکاری ملازمت کا حصول ،علما کے ساتھ بحث ومباحثہ ،سماج میں نمایاں حیثیت کی تحصیل ،یا پرائیویٹ نوکری کر کے بچوں کی کفالت۔سو میں سے چند ہی ایسے طلبہ ملیں گے جو ہمارے اسلاف کی طرح سوچ رکھتے ہوں گے،اور جن کی تحصیل علم کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہوگا۔اسی سوچ کا نتیجہ ہے کہ آج طلبہ علم نہیں، بلکہ ڈگریاں حاصل کرنے میں زیادہ دل لگاتے ہیں ۔کتاب اس لیے نہیں پڑھتے ہیں کہ ان سے علم کشید کریں، بلکہ اس لیے پڑھتے ہیں تا کہ امتحان دے کر اچھے مارکس حاصل کیے جائیں۔یہی وجہ ہے کہ پڑھنے کے بعد جب اچھی سرکاری ملازمت نہیں ملتی ہے یا اپنے مخصوص مقاصد نہیں حاصل ہوتے ہیں تو علم سے بیزاری پیدا ہوتی ہے اور اس ''لائن'' ہی سے متنفر ہو کر ممبئ وسعودی کی راہ لیتے ہیں اور وہاں پر حصول دنیا کے لیے علم کی عظمتوں کو نیلام کر دیتے ہیں۔کاش ہمارے طلبہ کے اندر یہ شعور پیدا ہوتا کہ علم دین کی تحصیل کا مقصد دنیا نہیں۔ہاں، یہ بات بھی نا قابل تردید ہے کہ جب انسان دین کے لیے پڑھتا ہے تو دنیا اس کے قدموں میں نچھاور ہو جاتی ہے اور جب دنیا کے لیے پڑھتا ہے تو نہ تو دین ہی میں کامیابی حاصل ہوتی ہے، نہ ہی دنیا اس کے ہاتھ آتی ہے، نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔

ارتکاب معصیت: علم خدائی نور ہے،معصیت تاریکی ہے،نور وظلمت مین تضاد مسلم ہے،اس لیے ایک طالب علم پر لازم ہے کہ وہ گناہوں کے ارتکاب سے دور رہے۔ ہمارے اسلاف کے طلبہ کی زندگی دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ ان کی طالب علمی کی زندگی ہو یا مابعد طالب علمی کی، بالکل صاف وشفاف اور بے غبار آئینے کی مانند نظر آتی ہے۔اصحاب صفہ جو سب سے پہلے دینی مدرسے کے اولین طلبہ ہیں۔ان کی زاھدانہ اور صالح زندگی سے کون واقف نہیں،ان کی طالب علمی قابل رشک تھی۔تاریخ اسلام میں ہمارے اسلاف طلبہ کی نیکی اور پارسائی کی بہت ساری داستانیں محفوظ ہیں ،جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں ہے۔طلبہ اللہ کی طرف سے منتخب جماعت ہے ، جسے رب تعالیٰ نے اپنے دین کے لیے چُنا ہے۔اس لیے ان کی ذمہ داریاں بھی بہت ہیں ،لوگ بھلے ہی برے ہوں ،مگر وہ اپنے طلبہ اور علما کو اچھا ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔

طلبہ اگر خود کو خدائی مشن کا علمبردار ،اورعلوم شرعیہ کا وارث سمجھیں تو ان کے اندر گناہوں کی رغبت ہی پیدا نہیں ہوگی۔آج ارتکاب معصیت ہی کا نتیجہ ہے کہ اکثر طلبہ کند ذھن یا غیر ذکی ہوتے ہیں،لیکن ہم نے سوچا کہ رازی وغزالی اور بخاری ومسلم ذہین شخصیتوں کے علمی وارثین اتنے کند ذھن کیسے ہوں گے؟ بلا شبہ یہ ارتکاب معصیت کا وبال ہے۔امام شافعی سے ان کے ایک شاگرد نے سوئے حفظ کی شکایت کی تو آپ نے اسے ترک معصیت کی تاکید کی۔

احساس کمتری: علم کی تحصیل دنیا کا سب سے بہتر کام ہے ،اس لیے اس کی تحصیل میں جو مشغول ہوتا ہے ،وہ سب سے بہتر انسان ہوتا ہے، بالخصوص علم دین کہ یہی فلاح دارین کا ضامن ہے،پھر ایک طالب علم احساس کمتری کا شکار کیوں کر ہوتا ہے؟ ہمارے اسلاف کے اندر کبھی بھی یہ احساس پیدا نہیں ہوا۔انہوں نے ہمیشہ ایک طالب علم کی زندگی کو سب سے بہتر زندگی سمجھی،اور اپنے اندر کبھی بھی کمتری یا مرعوبیت کا احساس پیدا ہونے نہیں دیا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بار خلیفہ ہارون رشید نے اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے اپنے پاس بلایا۔آپ نے تشریف لانے سے پہلے ہارون رشید کے پاس پیغام بھجوایا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ علم ذلیل ہو؟ ہارون رشید سمجھ گئے ،اور آپ کے گھر بھیج کر بچوں کو علم دین پڑھایا۔

ہمارے اسلاف کے اندر ہمیشہ یہ احساس رہا کہ طلبہ دنیا کی وہ واحد جماعت ہے، جس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کے قدموں کے نیچے فرشتے پر بچھاتے ہیں، جس کے حق میں سمندر کی مچھلیاں دعائیں کرتی ہیں۔ کاش ہمارے طلبہ کے اندر بھی یہ احساس پیدا ہو جاتا کہ ہم اس قوم کی اولاد ہیں جو خالق ارض وسما کی خلافت بردار ہے، جس کے علمی فیضان سے آج بھی چمنستان علم وحکمت میں بہار جانفزا قائم ہے اور جس کے علمی افادات سے مستفید ہو کر آج یورپ وامریکہ چاند پر پہونچ چکے ہیں۔

جدید ایجادات اور ہمارے طلبہ: حصول علم کا زمانہ کتنا مصروف وقت ہوتا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے۔ زندگی کی ہر سانس اگر تحصیل علم میں لگا دی جائے تو بھی مکمل علم کی تحصیل ناممکن ہے۔ ہم اپنے اسلاف طلبہ کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے حصول علم میں اس درجہ انہماک سے کام لیا کہ بعضوں نے تو شادی تک نہیں کی، اپنے اہل وعیال سے میل جول نہیں رکھا، صرف کتابوں سے کام رکھا، مگر آج ہمارے طلبہ کا عجیب حال ہے۔ جدید ایجادات نے ان سے سب کچھ چھین لیا ہے، قلم، دوات، حتیٰ کہ کتابیں بھی۔ بدلہ میں بیماریاں، اخلاقی گراوٹ، سستی، کاہلی اور تضیع وقت دے دیا ہے۔ آج کے طلبہ انٹرنیٹ، موبائل، اور دیگر ایجادات سے فائدہ اٹھانے کی بجائے نقصان ہی اٹھا رہے ہیں۔ اس طرح وقت بھی برباد ہوتا ہے، صحت بھی جاتی ہے، اخلاق بھی متاثر ہوتے ہیں، رشتوں کا تقدس بھی پامال ہوتا ہے۔ خدارا! ان آلات کا استعمال اپنے فائدہ کے لیے کریں، نقصان کے لیے نہیں۔

تضیع وقت: بزرگوں نے فرمایا کہ وقت تلوار کی مانند ہے۔ اگر اس سے فائدہ نہیں اٹھاؤ گے تو وہ تمہیں نقصان پہونچائے گا۔ ہمارے اسلاف طلبہ کا یہ حال تھا کہ حصول علم کے دوران کھانا بھی کم کھاتے تھے۔

محنت ومشقت سے اجتناب: علم بہت بڑی دولت ہے۔ اس لیے اس کی تحصیل بغیر محنت ومشقت کے ممکن نہیں ہے، بغیر جہد مسلسل کے حصول علم کی خواہش بے کار ہے۔ ہمارے اسلاف طلبہ میں ایسے لوگ بھی ملیں گے، جنھوں نے محض ایک حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے سیکڑوں میل کا سفر طے کیا ہے۔ ایسے لوگ بھی ملیں گے جنھوں نے شب وروز ایک کر کے علم دین حاصل کیا، لیکن عصر حاضر کے طلبہ علم کی تحصیل کو بہت آسان سمجھتے ہیں اور بغیر محنت کے حصول علم کی خواہش رکھتے ہیں۔ سال کے اکثر حصے میں وقت گزارتے ہیں، امتحان کے اوقات میں چند روزہ محنت کو پورے سال کی تن پروری کا کفارہ سمجھ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امتحان کے بعد سارا علم دماغ سے اڑ جاتا ہے، اور پھر خالی برتن ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی تحصیل جتنی جلدی ہوتی ہے، اتنی ہی جلدی وہ دماغ سے جاتی بھی ہے۔ ہمارے بعض اسلاف ایسے بھی ملتے ہیں جو ایک ایک سبق کو ہزار بار پڑھتے تھے، جو اتنی محنت کرتے تھے کہ جان پر بن آتی تھی، لیکن ان کی یہی محنت بعد میں ان کو قیمتی ہیرا بنا دیتی تھی۔ یہ خود بھی قیمتی ہوتے تھے اور جو ان سے فیضیاب ہو جاتا، وہ بھی گراں قدر ہو جاتا تھا۔

ایک اللہ والے نے ایک سچی بات کہی ہے کہ، طالب علم کی زندگی میں جو شخص شاہی زندگی جیتا ہے وہ پوری عمر فقیری میں بسر کرے گا اور جو طالب علمی کی چند سالہ زندگی فقیری میں جیتا ہے، وہ پوری عمر شاہی زندگی جیتا ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے ﴿**لایعطیک العلم بعضه حتی تعطیه کلک**﴾ یعنی جب تک خود کو علم کے لیے وقف نہیں کرو گے، علم کا ایک حصہ بھی نہیں پا سکتے ہو۔ اس لیے طلبہ کو چاہیے کہ اسلاف کی جہد ومشقت بھری طالب علمی کی زندگی کو سامنے رکھیں اور جم کر علم حاصل کریں۔ خدائی وعدہ ہے ﴿**ان اللّٰه لا یضیع اجر المحسنین**﴾ یعنی اللہ رب العزت کے یہاں انصاف ہی انصاف ہے، جو کچھ کرو گے، اس کا اجر پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

خضر راہ

اسلامی قوانین پر تنقید کا مقصد کیا ہے؟

اسلامی قوانین پر تنقید کا مقصد کیا ہے؟

حضرت مفتی شریف الرحمٰن رضوی جنرل سکریٹری آل کرناٹکا سنی علما بورڈ (کرناٹک)

مذہب اسلام کے طریقہ طلاق پر بعض آزاد خیال مسلمان بھی کبھی کبھی تنقید کرتا ہے، تاکہ دنیا میں لوگ اسے ایک سیکولر شخص سمجھیں۔ انہیں سوچنا چاہئے کہ جن لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ خود کو سیکولر ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ مخالفین خود بھی سیکولر ہوتے تو کسی کے مذہبی مسائل پر ہرگز انگلی نہ اٹھاتے۔ آج کل ہندوستان میں اسلامی قوانین پر تنقید و تبصرہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ کسی طرح ملک کو ہندوراشٹر بنانے کے لیے راہ ہموار کی جائے، جہاں ہندو قوانین تمام اہل ملک پر نافذ ہوں، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلم، سکھ ہو یا عیسائی۔ اسلامی قوانین پر تنقید کرنے والوں میں مزید بے عقلوں کا اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ نہ جانے کتنے مسلمان مرد سلمان رشدی اور کتنی مسلمان عورتیں تسلیمہ نسرین کی راہ پر چلنے کی تیاری میں ہیں۔ مسلمانوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اسلامی مسائل کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ خداوندی قوانین ہیں۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ ان کے سمجھنے میں دقت پیش آئے، لیکن ان تمام قوانین میں کچھ نہ کچھ حکمت ضرور پوشیدہ ہے۔ جو لوگ بدکاری کرنے پر اسلام کی سنگساری کی سزا پر تنقید کرتے تھے، جب ملک میں زنا بالجبر کی کثرت ہونے لگی تو خود غیر مسلموں نے بھی کہا کہ ملک میں شریعت کا قانون یعنی سنگساری کا قانون نافذ کیا جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہر قانون میں حکمت پوشیدہ ہے۔ خواہ ہماری سمجھ میں آئے، یا نہ آئے۔ قانون خداوندی پر سوال اٹھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا تصور کرو، جس عذاب سے تمہیں کوئی بچا نہیں سکتا۔ واللہ الموفق الی الصراط المستقیم۔

پوشیدہ عزائم بے نقاب

مولانا منیف عالم رضوی (مرغیا چک سیتامڑھی بہار)

ملک ہند کی آزادی کے لیے پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک مسلمانوں نے بے شمار جانوں کی قربانی پیش کیا۔ ہندوستان کو آزاد کرانے میں مسلمانوں کی قربانیاں دوسری قوموں سے کسی طرح بھی کم نہیں اور نہ ہندوستانی تاریخ ہماری قربانیوں کو فراموش کرسکتی ہے۔ تمام اہل وطن کی اجتماعی کوششوں سے ملک ہند انگریزوں کے قبضہ سے آزاد ہوا۔ چونکہ یہ ملک، ہندو، مسلم و دیگر قوموں کی مشترکہ کوششوں سے آزاد ہوا تھا، اس لئے اسے ایک جمہوری ملک کا درجہ دیا گیا۔ ہندوستان کے قانون میں تمام اہل وطن کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی دی گئی، اور ملک کا نظام اسی طرح جاری رہا۔

ہندوستان کی آزادی کی تین/ چار دہائیاں گذرنے کے بعد دانستہ یا نادانستہ طور پر حکومتی نظم و نسق یا نظام عدالت کے نام پر بعض مسلم مسائل میں دخل اندازی کی کوشش ہونے لگی۔ شاہ بانو کیس میں اسلامی شریعت کے برخلاف فیصلہ ہوا، پھر مسلمانوں نے اپنی مذہبی قانون کی وضاحت عدلیہ اور حکومت کے سامنے پیش کی، لیکن توجہ نہ دی گئی۔ تب شاہ بانو کیس میں خلاف شریعت فیصلہ پر ہندوستانی مسلمانوں نے ملک بھر میں احتجاجات، جلسے، جلوس اور جابجا عظیم الشان کانفرنسیں منعقد کر کے حکومت ہند کو اس فیصلہ پر نظر ثانی کے لیے دباؤ ڈالا۔ تب سال ۱۹۸۶ء میں مسلم مطلقہ خاتون کے حقوق سے متعلق ایک ایکٹ پارلیامنٹ میں منظور کیا گیا۔

اس وقت وہ فیصلہ کورٹ کا تھا، لیکن آج خود ہندوستان کی جمہوری حکومت نے اپنا حلف نامہ سپریم کورٹ میں داخل کر کے اپنے پوشیدہ عزائم و مقاصد کو ظاہر کردیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عائلی

مسائل میں تبدیلی لانا چاہتی ہے۔حالانکہ اسلامی شریعت پر عمل کی اجازت خود دستور ہند میں منظور ہو چکی ہے۔تبدیلی کی درخواست خود وہ قوم دے سکتی ہے،جس کے یہ مسائل ہیں۔جن کا کچھ بھی تعلق ان مسائل سے نہیں،وہ اسلامی مسائل میں تبدیلی کے لیے اس قدر شور وشر کیوں برپا کر رہے ہیں؟ نیز عوام کے ذریعہ کسی منتخبہ حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ ملک کے دستور وآئین کے برخلاف اور خود اہل وطن کے منشا کے خلاف کوئی قانون نافذ کرے،جبکہ اس کے نفاذ سے مشکلات کم ہونے کی بجائے بڑھ جانے کا خطرہ ہو۔

گلوبلائزیشن اور ماہنامہ ''پیغام شریعت''

مفتی اسلم رضا مصباحی (چیف قاضی ادارہ شرعیہ بنگلور)

عہد حاضر میں دنیا کو گلوبل ورلڈ (Global World) کہا جاتا ہے،یعنی آمدورفت کے برق رفتار وسائل اور الیکٹرانک مواصلاتی وسائل کے سبب دنیا ایک چھوٹا سا گاؤں بن چکی ہے۔ایک جگہ بیٹھ کر ہر کوئی ریڈیو،ٹی وی،انٹرنیٹ،فیس بک،واٹس ایپ،ای میل وغیرہ کے ذریعہ چند سیکنڈوں میں ساری دنیا کے احوال سے باخبر اور اپنے پیغامات لمحوں میں دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہونچا سکتا ہے۔مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان میں سنی میگزین کی فہرست میں ماہنامہ پیغام شریعت اول نمبر پر ہے،جس نے گلوبلائزیشن سے سب سے زیادہ فائدہ حاصل کیا ہے۔اس میگزین کی مجلس ادارت ومجلس مشاورت کے ارکان نہ صرف یہ کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں منتشر ہیں،بلکہ ایشیا،یورپ وامریکہ کو محیط ہیں۔کوئی یہاں،کوئی وہاں،کوئی کہاں ہے۔میگزین کے اس عالمگیر نظام سے ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ ہمیں اس ماہنامہ کے ذریعہ اسلامی معلومات کے ساتھ ساری دنیا کے احوال وکوائف بھی دستیاب ہوتے رہیں۔جو علمائے کرام امریکہ ویورپ وافریقہ میں مقیم ہیں،وہ ان بلاد وامصار میں آباد مسلمانان اہل سنت وجماعت کے حالات سے ہمیں باخبر رکھنے کی کوشش کریں۔وہاں کی اسلامی تعلیماتی وتعمیراتی سرگرمیوں کی اطلاع فراہم کریں،بلکہ ملکی وعلاقائی تہذیب وثقافت سے بھی ہمیں روشناس کرتے رہیں۔رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ ارکان ادارہ کو دینی ومذہبی خدمات کا مزید حوصلہ عطا فرمائے اور میگزین کو قبولیت عامہ سے سرفراز فرمائے۔آمین

الجامعۃ الاشرفیہ کی تاریخی جھلکیاں

قاری ذوالفقار رضا نوری (جامعہ حضرت بلال ٹیانری روڈ بنگلور)

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ (یوپی) ہندوستان میں مسلمانان اہل سنت وجماعت کی عظیم درسگاہ ہے۔اس کا قدیم اور ابتدائی نام مدرسہ مصباح العلوم ہے۔اس کے متعدد تعمیراتی مراحل ہیں۔اختصار کے ساتھ جامعہ کے ترقیاتی مراحل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اہل مبارکپور کی کوششوں سے ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں دینا بابا کی مسجد میں مدرسہ ھذا کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

(۲) یہ مدرسہ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں مسجد گولہ بازار منتقل ہو گیا۔

(۳) پھر ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں یہ مدرسہ نگر پالیکا مبارکپور کے پاس منتقل ہو گیا اور ''مدرسہ اشرفیہ لطیفیہ مصباح العلوم'' نام رکھا گیا۔

(۴) ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں ادارہ کی جدید کاری ہوئی اور یہ مدرسہ پرانی بستی منتقل ہو گیا اور مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم نام رکھا گیا۔

(۵) صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی امجد علی اعظمی مؤلف بہار شریعت (۱۸۷۸ء-۱۹۴۸ء) کے حکم سے ان کے شاگرد رشید حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی ۲۹/ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴/ جنوری ۱۹۳۴ء کو بحیثیت صدر مدرس مدرسہ اشرفیہ میں مقرر کئے گئے۔طلبا کی کثرت کی وجہ سے ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں یہ تعلیم گاہ پرانی بستی سے مبارکپور کے صدر بازار میں منتقل ہوگئی،اور دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم نام رکھا گیا اور تاریخی نام'' باغ فردوس'' (۱۳۵۳ھ) ہوا۔ایک مدت بعد طالبان علوم دینیہ کی کثیر تعداد کے لیے یہ عمارت بھی نا کافی ہوگئی۔حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۸۹۴ء-۱۹۷۶ء) نے ۱۹۷۲ء میں قصبہ مبارکپور سے نصف کیلومیٹر دور ایک وسیع عریض زمین خرید کر تعمیر جدید فرمائی اور الجامعۃ الاشرفیہ کے نام سے اس کی شہرت ہوئی۔یہاں کے فارغین ''مصباحی'' کہلاتے ہیں۔مصباحی علما دنیا کے تمام ممالک میں خدمات دینیہ میں مصروف عمل ہیں۔فی الوقت قریباً تین ہزار (۳۰۰۰) طلبا زیر تعلیم ہیں۔یہ ادارہ مسلک اہل سنت وجماعت یعنی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے مسلک کا ترجمان ہے۔رب تعالیٰ ادارہ کو خوب ترقی عطا فرمائے۔آمین

خیر وخبر

علامہ حنیف رضوی آغوش رحمت میں

مفتی نظام الدین مصباحی (بلیک برن)

یہ دنیا غیر باقی ہے۔یہاں جوبھی آیا ہے،ایک دن اسے جانا ہے۔مگر کچھ جانے والے اس طرح جاتے ہیں کہ جن کی موت قابل رشک بن جاتی ہے۔انہی عظیم ہستیوں میں علامہ حنیف رضوی علیہ الرحمہ بھی ہیں۔آپ راجستھان کے متوطن تھے۔جامعہ منظراسلام(بریلی شریف) کے فارغ التحصیل اورحافظ قرآن تھے۔آپ نے فراغت کے بعد گجرات میں کئی سال تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے۔سال ۱۹۷۲ء میں برطانیہ تشریف لائے۔اس وقت یہاں اہل سنت وجماعت کی بہت کم مساجد تھیں۔آپ نے اس وقت سے تا حال تدریس وخطابت کے ذریعہ دین کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔بالخصوص بولٹن اور گردونواح میں آپ کی خدمات ہمیشہ یادرکھی جائیں گی۔آپ نے کئی مساجد ومدارس کے قیام کے ساتھ امدادغرباومساکین اورہندوستان کے متعدد دارالعلوم کی خدمت کی۔آپ حال ہی میں عمرہ کے لیےتشریف لے گئے۔مدینہ طیبہ میں حاضری اورعمرہ کی ادائیگی کے بعدمکہ شریف میں وصال کرگئے۔آپ جماعت رضائے مصطفٰی (یوکے) کے سرپرست بھی تھے۔اللہ عزوجل آپ کے درجات بلندفرمائے۔آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

ایک ستارہ جوغروب ہوگیا

محمد قاسم القادری مصباحی (دہلی)

فاضل شہیر حضرت مولانا نسیم رضا مصباحی متوطن ابوبکرپور ویشالی (بہار)الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کےایک نامورفرزند تھے۔سال ۲۰۰۵ء میں جامعہ اشرفیہ سے فراغت کے بعدجامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی)میں داخل ہوئے۔جامعہ ملیہ سے بی اے،ایم اے،ایم فل مکمل کرچکے تھے۔اب پی ایچ ڈی کے لیے رجسٹریشن ہوچکا تھا۔مولانا موصوف نے پی ایچ ڈی کے لیے ’’مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کی نعتیہ شاعری،،کوموضوع منتخب کیا تھا۔آپ ایک متحرک وفعال قلمکار تھے،آپ کے بہت سے مضامین ومقالات سنی ماہناموں خصوصاً ماہنامہ کنزالایمان (دہلی)ودیگرمیگزین میں شائع ہوکرخراج تحسین حاصل کیے۔سہ ماہی تیغی کرن (ویشالی) کے آپ چیف ایڈیٹر بھی تھے۔آپ کی مشہورتصنیف ’’وسیلہ،عقیدہ وعمل اورحقائق فضائل‘‘ مطبوعہ ہے۔کئی سالوں سے بیمار تھے۔آخر کار اپولو ہاسپٹل (دہلی) میں ۱۴/جنوری ۲۰۱۷ کی صبح کو آپ کا وصال ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔ایمبولنس کے ذریعہ آپ کا جسدخاکی آپ کے وطن لے جایا گیااوروہیں تدفین عمل میں آئی۔

ماہنامہ پیغام شریعت کے تمام ارکان ومتعلقین مولانا موصوف کے وصال کواہل سنت وجماعت کے لیےایک عظیم خسارہ محسوس کرتے ہیں اور رنج والم کا اظہار کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کے درجات کوبلندفرمائے اوران کے تمام احباب واقارب بالخصوص مولانا ظفرالدین برکاتی،چیف ایڈیٹر ماہنامہ کنزالایمان کوصبرجمیل کی توفیق عطافرمائے۔آمین بحرمۃ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وبارک وسلم۔

تحریری انعامی مقابلہ کےنتائج

محمد قاسم القادری مصباحی (دہلی)

ادارہ پیغام شریعت کے زیراہتمام منعقدہونے والا’’تحریری انعامی مقابلہ‘‘اپنی نوعیت کا ایک منفرد باب تھا۔مدارس اسلامیہ کے جن طلبانے اس پروگرام میں حصہ لےکراس پروگرام کوزینت بخشا،ہم ان تمام کے بے حدشکرگذار ہیں اورامید کرتے ہیں کہ مستقبل میں بھی ہمیں اسی طرح آپ کاعلمی وقلمی تعاون میسرآئے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ مارچ یااپریل کے شمارہ میں نتائج کا اعلان کردیاجائے گا۔

R.N.I. No. DELURD/2015/65657
Publishing Date:20
Advance Month

Postal Registration DL(DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages with Title Cover, Weight 95 grams
Posting Date: 21&22

Paigam e Shariat Monthly

Vol: 02 Issue:17 FEBRUARY-2017

شاہزادہ صدر الشریعہ حضرت مفتی بہاء المصطفیٰ قادری بریلی شریف

یہ زمانہ آزادی و تلبیس کا ہے۔ ہر کوئی مذہب کی وتوجیہ وتشریح اپنی اپنی سوچ کے مطابق کرنے پر تلا ہوا ہے۔ علمائے متقدمین ومتاخرین کے اقوال وتوضیحات کو قصہ پارینہ تصور کرتا ہے۔ ایسے پر فتن دور میں ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کا اجرا قابل تعریف ومبارک باد ہے۔ اس کے شمارے اہل سنت وجماعت تعلیمات اعلیٰ حضرت سے مرصع ہوتے ہیں، ماہنامہ پیغام شریعت اپنے مواد اور اسلوب سے تلبیس ابلیس کا پردہ چاک کر کے مذہب وملت کی صحیح تصویر عوام الناس میں پیش کرتا ہے۔ اور دور جدید کے فتنوں سے لوگوں کو روشناس کر کے دین متین کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اور قوم کی صحیح رہنمائی کر رہا ہے۔

دعا ہے مولا تعالیٰ اس کے مدیر عزیزم مولانا فیضان المصطفیٰ قادری اور ان کے تمام معاونین کے قلم میں روانی اور اثر پیدا فرمائے اور اس کا ہر شمارہ خوب سے خوب تر ہو۔ میں مسلمان بھائیوں سے گزارش کرتا ہوں کہ رسالے کے قیام وانصرام اور اسے جاری رکھنے میں ہر طرح کا تعاون کریں اور اپنے لیے صدقہ جاریہ کا انتظام کریں۔ فقط والدعا

بہاء المصطفیٰ قادری استاذ جامعۃ الرضا بریلی شریف

۲۸/دسمبر ۲۰۱۶ء

حضرت مولانا اشفاق احمد مصباحی جامعہ سعدیہ عربیہ کیرلا

افق صحافت پر مثل چمکنے والا آفتاب نِو "پیغام شریعت" کی ضیابار کرنوں سے ہند کے اکناف واطراف روشن ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ بلاشبہہ اس کے ارکان وقلم کاران کی فکر ونظر اور تحریر وقلم سے صرف ایک راقم الحروف کی ہی نہیں بلکہ دنیائے اہل سنت والجماعت کی آس وامید بندھی ہوئی ہے۔ اور اس کے پلیٹ فارم سے یہ امیدیں بڑی حد تک پوری ہوتی ہوئی بھی نظر آرہی ہیں جس کا منھ بولتا ثبوت دسمبر کا خصوصی شمارہ ہے۔ مولیٰ تعالیٰ بطفیل رسولہ الاعلیٰ وبصدقہ غوث وخواجہ ورضا آتش حقد وحسد اور مخالفت کی باد سموم سے "پیغام شریعت" اور اس کے جملہ معاونین، مخلصین، ومحبین کو اپنے حفظ وامان میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim

Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at **M/s Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from H.No.422, 2nd Floor, Gali Sarotey wali,
Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006